شہرِ آشوب

اکرم الہ آبادی

جاسوسی دائرہ سیریز

جاسوسی دائرہ سیریز

شہرِ آشوب

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

آتشزدگی

آج کی رات معمول سے زیادہ بھیانک تھی۔

بادل سرِ شام ہی سے گھرے ہوئے تھے، لیکن نہ جانے کیوں ابھی تک پانی کی ایک بوند بھی نہ برسی تھی۔ ہواؤں کے تیز جھکڑ چل رہے تھے اور ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا تھا۔

بیرن روڈ پولیس اسٹیشن کا گشتی کانسٹیبل ابھی پورے علاقے کا ایک چکر لگا کر لمبی سی ایک جمائی لیتے ہوئے ایک بند دکان کے سائبان کے نیچے بیٹھا ہی تھا کہ اس کے کان جانے کیا سن کر اچانک کھڑے ہو گئے۔ کسی طرف سے شور کی آواز آ رہی تھی۔ وہ اپنی نند اسی آنکھوں کو ملتا ہوا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

''سالا کچھ نہ کچھ جرور (ضرور) ہوتا رہتا ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔ اور پھر اپنی لاٹھی پختہ سڑک کے سینے پر ٹیکتا، اندازے کے مطابق اس شور کی سمت چل دیا۔ سڑک بالکل سونی پڑی تھی، سوائے ان آدمیوں کے خراٹوں اور کبھی کبھی کراہنے کی آوازوں کے جو فٹ پاتھ کے کنارے اور بند دکانوں کے سائبانوں کے تلے دبکے پڑے تھے۔

اتنے میں فائر بریگیڈ کی دوڑتی گاڑیوں کی مسلسل بجتی ہوئی آوازوں نے اسے پھر چونکا دیا۔ آگے پیچھے آگ بجھانے والے دو انجن اس کے نزدیک سے گھنٹیاں بجاتے گزر گئے۔

اور کچھ آگے چل کر اسے بھی بیرن روڈ کے پچھلے مغربی علاقے میں ایک سرخ سی روشنی کسی عمارت کے اوپر پھیلی نظر آنے لگی۔

''تو آگ لگی ہے کہیں۔'' وہ بڑبڑایا۔ اور جیب سے ایک بیڑی نکال کر اسے ہونٹوں میں دبا کر سلگاتے ہوئے وہ تیز تیز قدم بڑھانے لگا۔

آگ بیرن روڈ کے پیچھے ایک دو منزلہ پرانی کوٹھی میں لگی تھی۔ فائر بریگیڈیز کے دو

Akram Allahabadi

انجن اور اتنے میں پہنچ چکے تھے۔اس طرح چار انجن اور عملے کے افراد کے علاوہ آس پاس کے کچھ لوگ بھی آگ بجھانے کی کوشش میں مصروف تھے اور گشتی کانسٹیبل کے پہنچنے سے پہلے وہاں دو کانسٹیبل اور پہنچ چکے تھے۔تھوڑی ہی دیر میں علاقے کا ڈیوٹی آفیسر بھی اپنی جیپ کار میں آپہنچا۔

اس عمارت میں ایک دولتمند پارسی خاندان رہتا تھا۔فائر بریگیڈ کے خود بردار فائر پروف وردی ولاے کارکن اب تک عمارت سے دو بچوں، دو نوجوان لڑکیوں اور ایک بوڑھی عورت کو صحیح سلامت نکال سکے تھے۔نچلے حصے میں سونے والے نوکر خود ہی گھبرا کر بھاگ نکلے تھے، اس لیے بچ گئے۔ان لڑکیوں میں سے ایک کچھ جل گئی تھی، باقی کو صرف لپٹیں لگی تھیں، لیکن بوڑھی عورت کی سسکیاں بند نہ ہوتی تھیں اس کا شوہر اور عمارت کا مالک اندر ہی رہ گیا تھا اور اس کی جوان لڑکی کا پتہ نہ تھا، جو تین بہنوں میں سب سے بڑی تھی۔

تقریباً تین گھنٹے کی انتھک کوشش کے بعد آگ پر قابو پایا جا سکا، لیکن عمارت کا اوپر کا حصہ اور نیچے کا نصف حصہ جل کر راکھ ہو چکا تھا۔فائر بریگیڈ والوں کے بیان کے مطابق اگر اس کی دیواروں پر آئل پینٹ نہ ہوتا تو شاید آگ اتنی تیزی سے نہ پھیلتی۔مکان کے رہنے والے فرنیچر کے بھی بہت شوقین تھے اور وارنش کیے ہوئے فرنیچر اور دروازوں کے پردوں نے آگ کی لپیٹ میں آکر اسے اور تیز کر دیا۔ابھی تک ان میں سے کسی کے ہوش بجا نہ تھے کہ وہ آتشزدگی کی وجوہ پر کوئی روشنی ڈال سکتا۔لڑکیاں اور بچے پڑوسیوں کے درمیان سہمے سہمے کھڑے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنا گھر جلتے دیکھ رہے تھے اور ان کی بوڑھی ماں کی سسکیاں تھمتی نہ تھیں، جو وہ بات کر سکے۔

''انھیں آپ اسپتال لے جایے، بیان بعد میں لیا جائے گا۔ورنہ یہ منظر دیکھ کر ان کی حالت اور خراب ہو جائے گی۔'' ڈیوٹی آفیسر نے ان کے ایک معزز پڑوسی سے جو انھیں دلاسا دینے میں سب سے آگے تھا، کہا۔ساتھ ہی اس نے ایک کانسٹیبل کو ساتھ کر دیا۔پڑوسی

Akram Allahabadi

نے اسی وقت اپنی کار گیرج سے نکلوائی اور بوڑھی عورت اور اس لڑکی کو جو کچھ جل گئی تھی، پولیس آفیسر کی مدد سے کار میں سوار کرایا اور ڈامو در اسپتال کی طرف روانہ ہو گیا۔

معاملہ آتشزدگی کا تھا اور ایسے اتفاقیہ واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں، اس لیے پولیس کو اس میں دلچسپی لینے کی کوئی خاص وجہ نہ تھی۔ پھر بھی بوڑھا ہرمز جی اور ان کی بڑی لڑکی کی تلاش ابھی چونکہ ملبے کے نیچے جاری تھی، اس لیے ڈیوٹی آفیسر بھی وہیں موجود رہا۔ یہ علاقہ مہذب اور خوشحال طبقے کے لوگوں کا تھا، اس لیے جلی ہوئی عمارت میں دبی، یا پڑی ہوئی اشیاء کی لوٹ کھسوٹ کا بھی بظاہر امکان نہ تھا۔

بھڑکتی آگ کے سرد ہو جانے پر بھی نچلے حصے کی چھت میں بعض چیزیں اب تک سلگ رہی تھیں، ان سے ہلکا ہلکا سا دھواں نکل رہا تھا۔

اوپر کے دو تین کمرے اب تک گرنے سے محفوظ رہ گئے تھے۔ ان میں سے ایک بند کمرے کے جلے ہوئے دروازے پر ٹھوکر مارتے ہی مع چوکھٹ کے دروازہ کئی ٹکڑے ہو کر گر پڑا۔ ڈیوٹی آفیسر فائر بریگیڈ کے کمانڈر اور ایک پڑوسی کے ساتھ اندر گھستے ہی چونک پڑا۔ یہاں فرش پر بوڑھا ہرمز جی سہراب اوندھا پڑا تھا۔ اس کے منہ سے خون نکل کر بہا تھا اور دور تک فرش پر پھیل کر جم گیا تھا۔ اس کی آنکھیں حلقوں میں ابھر کر ٹھنس گئی تھیں اور منہ ٹیڑھا سا ہو گیا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ جکڑ کر فرش کو پکڑے ہوئے ہوں، جیسے ان میں کوئی چیز رہی جو نکال لی گئی ہو۔ کمرے کی بہت سی چیزیں بکھری ہوئی پڑی تھیں، لیکن شاید آگ دروازے سے زیادہ دور تک نہ پھیل سکی تھی۔ شاید نچلی چھت میں آگ لگنے سے اس کمرے کا پلاسٹر کردہ چکنا فرش کئی جگہ سے چٹک گیا تھا۔ لیکن تعجب کی بات یہ تھی کہ ہرمز کے بدن یا کپڑوں کو ذرا سی آنچ بھی نہ لگی تھی۔ اسی کمرے میں دیوار گیر گرد رنگ کی الماری تھی، جس میں اندر ایک بہت مضبوط تجوری بھی بنی ہوئی تھی، وہ بند تھی، لیکن اس کی چابی الماری کے نزدیک ہی فرش پر پڑی مل گئی۔ ڈیوٹی آفیسر ہرمز کی لاش کو اس عالم میں دیکھ کر دیر تک کھڑا سوچتا رہ گیا۔ یقیناً یہ موت آتشزدگی کی موت نہ تھی۔ پھر

اس نے اسے اسی عالم میں چھوڑ کر اس چابی کی مدد سے تجوری کو کھول لیا۔ ہرمز کے دو تین پڑوسی اور ایک لڑکی اس کے ساتھ تھے۔ اندر تجوری میں سوائے نوٹوں کے، چند فائلوں اور کاغذات کے چند پلندوں کے اور کچھ نہ تھا۔

ہرمز کی لڑکی باپ کی لاش کو دیکھتے ہی دھاڑیں مار کر رو پڑی اور اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

آدھی رات کے وقت پولیس فوٹو گرافر کا آنا مشکل تھا، اس لیے کمرے کو بالکل اسی طرح چھوڑ دیا گیا۔ اس کے دروازے پر اور باہر پولیس کا پہرہ لگا دیا گیا۔

آتشزدگی کی یہ واردات اب مشکوک ہو چکی تھی۔ محض اس وجہ سے کہ ہرمز کی لاش کچھ عجیب کیفیت میں پائی گئی تھی۔ ڈیوٹی آفیسر کا شاید اب تک صرف سیدھے سادھے معاملات ہی سے سابقہ پڑا تھا، اس لیے وہ گھبرا سا گیا۔ اس نے اسی وقت نیچے اتر گاڑی سنبھالی اور سیدھا ہیرن روڈ پولیس اسٹیشن پہنچ گیا۔

یہاں بھی اس وقت سناٹا تھا۔ پولیس اسٹیشن کا محرر اپنی میز پر کھلے ہوئے رپورٹ رجسٹر پر ہی سر اوندھا کر کے خراٹے لے رہا تھا۔ اور اس کے دونوں کمروں کے سنتری فرش پر ہی دیوار سے ٹک کر اونگھ رہے تھے۔

ڈیوٹی آفیسر نے اسی وقت کسی قدر جھجکتے ہوئے اپنے ڈویژن کے سپرنٹنڈنٹ کا نمبر ملا کر رسیور کان سے لگا لیا۔ کئی راؤنڈ ہمنگ کے بعد ادھر سے کسی نے رسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو۔'' سپرنٹنڈنٹ کی بھاری اور نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

''سر، میں ڈیوٹی آفیسر برن روڈ سے بول رہا ہوں۔ مہتا جی اسٹریٹ میں ہرمز جی سہراب کی بلڈنگ میکس آگ لگی ہے۔'

''تو فائر بریگیڈ کو بلاؤ۔''

''آگ بجھائی جا چکی ہے، لیکن ہرمز جی کی بغیر جلی ہوئی لاش ایک کمرے میں عجیب

حالت میں پڑی ہے۔"

"مجھے آنا پڑے گا؟" سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا۔

"جی، میری ناقص رائے تو یہی ہے۔" ڈیوٹی آفیسر نے مؤدب لہجے میں جواب دیا۔

"ناقص ہے تو اسے ٹھیک کرو۔" سپرنٹنڈنٹ نے عجیب لہجے میں جواب دیا۔

"پھر وہ..."

"میں آتا ہوں۔" کہتا ہوا رسیور رکھ کر شاید چلا گیا۔

ڈیوٹی آفیسر اپنے اس پر تکلف مکالمے پر جھینپ سا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

"کہیں ان کے دماغ پر تو کوئی اثر نہیں پڑا ہے اس حادثے کا؟" سپرنٹنڈنٹ نے مسز ہرمز کی طرف اشارہ کر کے ڈاکٹر سے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں، ان کی دماغی کیفیت بالکل درست ہے۔ باقی تمام باتیں اور حرکتیں شائستہ اور سلجھی ہوئی کرتی ہیں۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ اور 'دامودر اسپتال' کے ایمرجنسی وارڈ میں ۳۲ بیڈ پر پڑی ہوئی مسز ہرمز جی سپرنٹنڈنٹ ای ڈویژن مسٹر خان کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی۔ اسے شبہ تھا کہ گفتگو اسی سے متعلق کی جا رہی ہے۔ سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر کو چھوڑ کر پھر اس کے قریب آ گیا۔

"ہاں، مسز ہرمز جی، کیا آپ پورے یقین کے ساتھ کہتی ہیں کہ کچھ عرصے سے آگ کے شعلے آپ کے مکان کی چھت پر ناچتے تھے؟" وہ ناچنے کے لفظ پر سوالیہ انداز میں زور دیتے ہوئے بولا۔

"میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے انھیں۔ وہ ...صرف شعلے تھے۔"

''کبھی ان سے آگ نہیں لگی؟''

''ہماری چھت نئی اور کھلی ہوئی ہے۔''

''کیا آپ نے کبھی ان کے بارے میں کسی سے ذکر نہیں کیا؟''

''کیا تھا، مسٹر ہرمز سے اور میری بڑی لڑکی کو بھی معلوم رتھا۔ چھوٹی لڑکیوں کو اس خیال سے نہیں معلوم ہونے دیا کہ وہ ڈر جاتیں۔''

''آپ نے پولیس میں رپورٹ بھی نہیں کرائی؟''

''شعلوں کی رپورٹ؟'' مسز ہرمز خود سپرنٹنڈنٹ کی شکل سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''خیر، مگر ایسا کتنے دنوں سے ہوتا تھا اور کتنی بار ہوا؟''

''صرف ہفتے میں ایک بار۔ سنیچر کی رات کو۔ اور... اور جب...'' وہ کچھ کہتے کہتے خوفزدہ سی ہو کر رک گئی۔

''ہاں، ہاں، بولیے، ڈرنے کی کیا بات ہے؟ یہاں کون کھڑا ہے؟'' سپرنٹنڈنٹ نے اسے دلاسا دیا۔

''جب سے فیروز مرا تھا، تب سے۔ وہ سنیچر کی رات کو وہی تجوری والے کمرے میں مرا تھا۔ میں نے اسے دیکھا تھا۔ بڑی بھیانک موت تھی... اس کی۔'' وہ اٹک اٹک کر بولی۔

''فیروز؟ اس نے تو خودکشی کی تھی نا؟'' سپرنٹنڈنٹ نے ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا۔

''جی ہاں، اس نے ایسا قاتل زہر پیا تھا، جس سے اس کا کلیجہ کٹ کٹ کر منہ سے گرا تھا۔'' مسز ہرمز نے بتایا۔

''اس کی بیوی بھاگ گئی تھی اس لیے؟'' سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا۔

''جی ہاں، وہ اسی رات بھاگی تھی اور تب سے آج تک اس کا پتہ نہیں۔'' مسز ہرمز

Akram Allahabadi

نے لمبی ٹھنڈی سانس کھینچ کر کہا۔

''وہ مسٹر ہرمز کا چھوٹا بھائی تھا نا؟''سپرنٹنڈنٹ نے جانا بوجھا سوال کیا۔

''جی ہاں۔''

''خیر، اب آپ آرام کیجیے اور ان شعلوں کا خیال دل سے نکال دیجیے۔ وہ کسی کی شرارت ہے اور ہم ہرمز جی کو قتل کرنے اور بلڈنگ میں آگ لگانے والے کو گرفتار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔''سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

''ارے وہ فیروز کی بدروح ہوگی۔''مسز ہرمز نے بڑے بھولے پن سے خوفزدہ لہجے میں کہا اور سپرنٹنڈنٹ مسکرا دیا۔

''ہم لوگ روحوں کو بھی گرفتار کر لیا کرتے ہیں، اگر وہ جرم کریں۔'' کہتا ہوا سپرنٹنڈنٹ باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

روشنی کا دائرہ

شہر سے باہر پولیس ااور چنگی کا بڑا آخری ناکہ تھا، جس میں دونوں دفاتر مشترک تھے۔ یہ ناکہ شہر کی طرف چڑھتے ہوئے مین روڈ کے اونچی جگہ پر واقع تھا اور ان دنوں اندھیری راتوں میں ممنوعہ اشیاء کی نقل وحرکت روکنے کیلیے اس ناکے کے پیچھے ایک ایک ۲۵ فٹ اونچی باڑھ باندھ کر ایک ریوالونگ سرچ لائٹ کے ذریعے روشن رہتے ہوئے چاروں طرف گردش کرتی رہتی ہے۔ اس مچان پر ہر وقت ایک مسلح سنتری پہرہ دیتا رہتا، تاکہ کھیتوں، یا ناہموار میدانوں کا راستہ کاٹ کر بچ نکلنے والے ٹرک گاڑیوں، یا ایسی ناجائز تجارت کرنے والے افراد پر نظر رکھی جا سکے۔ اور رات کے ۲۴ گھنٹوں میں یہاں چھ چھ گھنٹے کے حساب سے چار سنتری ڈیوٹی دیا کرتے تھے۔ اس وقت رات کے پچھلے پہر والا سنتری ڈیوٹی پر تھا اور شاید اسے دن میں بھی کسی وجہ سے سونے کو نہ ملا تھا، اس لیے وہ پیروں پر کھڑا کھڑا اونگھ رہا تھا۔ اس نے بھری ہوئی بندوق ایک طرف لٹکا دی تھی۔

اس وقت رات کے تقریباً ڈھائی بج رہے تھے، ہوا کافی خنک ہو چکی تھی۔ ویسے بھی اس پہاڑی علاقے میں موسمِ گرما میں بھی راتیں ٹھنڈی ہو جایا کرتی تھیں۔ مگر سنتری موٹا گرم اوورکوٹ پہنے ہوئے تھا، اس لیے اسے سردی نہیں لگ رہی تھی۔

یکا یک اونگھتے اونگھتے وہ چونک پڑا۔ اس کی نیند میں ڈوبی ہوئی آنکھیں کھل گئیں اور سر اوپر اٹھ گیا۔ وہ آسمان میں ایک عجیب سی چیز دیکھ رہا تھا، ایک گول روشن طباق جو بڑی تیزی سے گردش کرتا ہوا شہر کی طرف اڑتا چلا جا رہا تھا۔

وہ حیرت سے اسے اس وقت تک دیکھتا رہا، جب تک کہ وہ اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔ اور پھر وہ سر پر ہاتھ رکھ کر سوچنے لگا کہ وہ کیا چیز تھی۔ ایک اڑتا ہوا سرخ روشنی کا

دائرہ۔

رات کے باقی گھنٹے اس نے یہی سوچتے گزارے اور صبح صبح جب وہ پانچ بجے ڈیوٹی سے چھوٹا تو اپنی وردی تبدیل کر کے شہر کی طرف اپنے گھر واپس لوٹتے ہوئے بھی اس کا دماغ یہی سوچ رہا تھا، وہ کیا چیز تھی۔ کبھی اس کا دل کہتا کسی سے پوچھے، مگر پھر یہ سوچ کر رہ جاتا کہ لوگ اسے خبطی سمجھیں گے۔

گھر پہنچتے پہنچتے سویرا پھوٹ پڑا اور جب وہ اپنے محلے میں داخل ہوا تو لوگوں سے اس نے ایک عجیب سی افواہ سنی۔ رات گئے شہر کے ایک بڑے سنیما میں آگ لگ گئی تھی، جس پر ابھی تک قابو نہیں پایا جا سکا ہے اور اس آگ لگنے سے پہلے بعض لوگوں نے آسمان پر ایک قندیل اڑتے دیکھی تھی۔ اس نیم تعلیم یافتہ آبادی کے توہم پرست لوگ آسمان پر نظر آنے والی روشن قندیل کو بد روحوں کا تخت سمجھتے تھے، یا پھر اسے وہ مٹھ سمجھا جاتا تھا م، جو کسی کو ہلاک کرنے کیلیے کسی سفلی عمل کرنے والے جادوگر نے بھیجی ہو۔ بالعموم لوگوں کو وہم تھا کہ بعض بوڑھے پرانے بھنگی اس قسم کے سفلی عمل جانتے ہیں اور لوگ ان کے ذریعے دشمنوں کو ہلاک کرانے کیلیے بھاری معاوضوں پر ان سے کام لیتے ہیں۔ پو پھٹنے سے پہلے یہی چرچا ہو رہا تھا اور جتنے منہ تھے، اتنی ہی باتیں۔

لیکن ان تذکروں نے اس سنتری میں احساسِ برتری پیدا کر دیا۔ اس نے ان کی افواہوں سے زیادہ خود اپنی آنکھوں سے اس سونے مقام پر اندھیری رات میں اس عجیب و غریب سرخ روشنی کے دائرے کو پرواز کرتے دیکھا تھا۔ وہ سینہ پھلا کر اپنے مکان کے چبوترے پر بیٹھ گیا اور رات کے واقع کو کسی تجربہ کار داستان گو کی طرح لوگوں سے بیان کرنے لگا۔ وہ ان سے قسمیں کھا کر کہہ رہا تھا کہ اس نے بہت سی دیوؤں کو حضرت سلیمان کا گول روشن تخت کندھوں پر اٹھائے آسمان پر اڑتے دیکھا ہے۔ اس کا اندازِ بیان اس جیسے لوگوں کو مرعوب کرتا جاتا۔ اور بہت سے لوگ تو واقعی اس خوش نصیب سے ڈرنے لگے، جس نے حضرت سلیمان کا

تخت دیکھا تھا۔ وہ جب لوگوں کو ملی جلی مبارکبادیاں اور حیرتناک جملے کان میں بھرے گھر میں اپنی بیوی کے پاس پہنچا تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سارا ہندوستان فتح کر کے لوٹا ہے۔ اور بیوی اگر محض گھر میں دیر سے آنے کے بعد اسے دس بیس کھری کھری نہ سنا دیتی تو اس فتح کا خمار اور دیر تک اس پر طاری رہتا۔ اسے آٹے دال کا بھاؤ یاد آ گیا اور تختِ سلیمان کو اسے بھولنا ہی پڑا۔

☆☆☆☆☆☆

ابھی بمشکل دس ہی بجے ہوں گے کہ وہ پیر پٹکتی اندر آ پہنچی۔

''لو، وہ فوج آئی ہے تمہیں سلامی دینے، تختِ سلیمان۔'' وہ بڑبڑایا اور دوسری کروٹ سے لیٹ گیا۔

''ارے، باہر پولیس والے کھڑے ہیں۔ تھانے بلایا ہے تمہیں۔ انعام نہیں لو گے جا کر۔'' بیوی نے اس کی پیٹھ پر دو ہتڑ مارتے ہوئے جلی کٹی سنائی۔

''پولیس؟'' وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ ''کیوں، میں نے کیا کیا ہے؟'' وہ بغلیں جھانکنے لگا۔ ''کیوں آئی ہے وہ؟''

''خود جا کر پوچھ لو نا۔ تم تو حضرت سلیمان کے دیوؤں کو بھی دیکھ کر نہیں ڈرے۔'' اس نے پھر فقرہ کسا۔

''اری ہاں ہاں، جاتا ہوں، کونسا کھا جائیں گے مجھے، آخر میں بھی سرکاری سنتری ہوں، کسی پولیس کے باپ سے کم نہیں ہوں۔'' وہ بیوی کے سامنے اینٹھتا چلا گیا اور پاجامے پر ایک پرانی قمیص پہنتے ہوئے باہر نکل آیا۔

''سلام حوالدار صاحب۔'' اس نے زبردستی ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے دروازے پر کھڑے ہوئے کانسٹیبل کو حوالدار بنا دیا۔

''تمہیں تھانے بلایا ہے، ابھی چلو۔'' کانسٹیبل نے کہا۔

Akram Allahabadi

''مم...مگر میرا قصور؟''سنتری ہکلاتے ہوئے بولا۔

''وہ سب داروغہ جی بتائیں گے،ابھی بلایا ہے،جلدی۔''کانسٹیبل نے حلق سے کسی پولیس سپرنٹنڈنٹ کی آواز نکالتے ہوئے کہا۔

''اچھا...چھا،میں...میں ذرا سا منہ دھولوں۔''بجھے ہوئے لہجے میں یہ کہہ کر سنتری اندر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

''تم نے رات کو حضرت سلیمان کا تخت اڑتے دیکھا تھا نا؟''انسپکٹر نے اس سے پوچھا۔

''جی حضور،وہ...وہ تو گول تھا۔''سنتری گھبرا کر پھر ہکلانے لگا۔

''اور اسے چاروں طرف سے دیو کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے؟''انسپکٹر نے دوبارہ سوال کیا۔

''نن نن،نہیں حضور۔''

''جی ہاں۔''وہ گھبراہٹ میں کہہ گیا۔''جی نہیں،حضور۔''اس نے خجل ہو کر کہا۔

''ٹھیک ٹھیک بتاؤ،تم نے کیا دیکھا تھا؟''

''بتاتا ہوں،حضور۔''یہ کہہ کر اس نے جو کچھ دیکھا تھا،وہ سب کچھ بتا دیا۔انسپکٹر کے سامنے والی میز پر رپورٹر تنویر کی پنسل اس کی رپورٹنگ بک پر تیزی سے چلتی رہی۔اور جب سنتری خاموش ہو گیا تو وہ خود ہی بول اٹھا۔

''اچھا،اب تم کوہِ قاف جا کر تختِ سلیمان تلاش کرو اور دیکھو،اس قسم کے بنڈل تراشنے سے پہلے تھوڑی سی افیون بھی کھا لیا کرو۔''

''کان پکڑتا ہوں،حضور۔''سنتری نے توبہ کی اور وہ مسکرا دیے۔سنتری سلام کر

Akram Allahabadi

کے باہر نکل آیا۔اس کا تختِ سلیمان گم ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

''اس سے کیا نتیجہ نکالا جا سکتا ہے؟''انسپکٹر راویل نے تنویر سے پوچھا۔

''بھلا ایک پولیس انسپکٹر کے سامنے ایک بیچارہ اخباری رپورٹر کیا رائے دے سکتا ہے۔''تنویر نے رپورٹ بک بغل میں دباتے ہوئے کہا۔

''طنز کر رہے ہو؟''راویل سنجیدہ سا ہو گیا۔

''کیا بچوں جیسدا منہ بنایا ہے،واللہ، جی چاہتا ہے کہ ایک عدد پپّی لے لوں۔''تنویر چلتے چلتے میز پر جھک کر بولا۔

''تمہارا سر توڑ دوں گا۔''

''دفعہ ۳۱۰ لگائی جائے گی۔''

''قانون دانی تمہارے بس کا روگ نہیں،بس قلم گھسیٹو۔''انسپکٹر راویل نے چڑ کر کہا۔

''قلم گوید کہ من شاہ جہانم۔''تنویر نے برجستہ جواب دیا۔اور انسپکٹر راویل مرعوب سا ہو گیا۔

''آخر یہ ہے کیا بلا؟''انسپکٹر راویل پھر مطلب پر آ گیا۔

''یہ میں خاں صاحب سے پوچھ کر بتاؤں گا۔''میری بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ ویسے فرض کر لیجیے کہ تختِ سلیمان ہی تھا؟''تنویر دروازے کی طرف چلتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ اور راویل بھی ہنس پڑا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

وہ سونی سڑک پر خوف و دہشت سے چیختا ہوا بے تحاشا بھاگ رہا تھا۔ کوئی مزدور تھا شاید، جو رات پالی کے اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر اکیلا رہ گیا تھا، اور اس کے پیچھے ایک آگ کا روشن سرخ گول دائرہ زمین سے تقریباً ۸۰۔۹۰ فٹ اوپر چکر کھاتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ اپنی نوعیت کا یہ حیرتناک تعاقب اس سے پہلے کہیں سنا، یا دیکھا نہ گیا تھا۔ راہ میں نظر آنے والے کتے پہلے اسے دوڑتے دیکھ کر بھونکنے لگتے، مگر پھر ادھر ادھر کترا گئے۔

اس شور نے آس پاس کی عمارت کے مکینوں کو سوتے سے چونکا دیا۔ دو طرفہ مکانوں کی کھڑکیاں کھل گئیں اور ان گنت سر نیچے سونی، چوڑی سڑک پر دوڑتے ہوئے ایک خوفزدہ آدمی اور اس کا تعاقب کرتے ہوئے ایک سرخ آتشیں دائرے کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگے۔ کسی کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔

اچانک ایک جگہ کسی غصہ ور قسم کے کتے نے دوڑ کر بھاگتے ہوئے آدمی کی ٹانگ پکڑ لی۔ وہ چھری کے نیچے آئے ہوئے بکرے کی طرح چیخ کر زمین پر گر پڑا۔ اور دوسرے لمحے صرف دو چیخیں سنائی دیں۔ ایک کتے کی اور دوسری اس آدمی کی۔ وہ سرخ دائرہ آسمان کی طرف بلند ہونے لگا اور لوگ کبھی حیرت سے اور کبھی ایک انسان اور کتے کو آگ کے بھڑکتے شعلوں میں زندہ جلتے دیکھ کر دانتوں میں انگلیاں داب رہے تھے۔ اور ان ہی پر کیا موقوف، خود شور سن کر دوڑ کر آتے ہوئے دو گشتی پولیس کانسٹیبل بھی خوف و دہشت سے متاثر دور ایک دکان کے سائبان تلے چپ چاپ کھڑے یہ بھیانک منظر دیکھ رہے تھے۔ انھیں بچانے والا کوئی نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆

صبح ہوتے ہی ایک پراسرار آسمانی آتشی دائرے کی کہانیاں زبانِ عام پر پھیل گئیں۔ ان میں ہر ایک اپنے اندازے کے مطابق نمک مرچ ملا رہا تھا۔ کہیں ہونے والے واقعے کے ساتھ ساتھ اتنی مبالغہ آمیزی کر دی جاتی کہ سننے والے سنتے سنتے لرزنے لگتے اور

کہیں اس پر بحث درمباحثہ ہورہا تھا کہ یہ کونسی آسمانی بلا ہے۔اخبارات میں بھی اس خبر کو آگ کی طرح لے اڑے تھے اورانھوں نے بھی اپنے تبصروں میں اس پراسراراور عجیب چیز کوطرح طرح کے اندازوں پرتولا تھا۔کسی نے اسے کسی دوسری دنیا کی طرف سے بھیجی گئی کوئی خطرناک چیز بتایا تھا،کسی نے اسے چھپے ہوئے سائنسدانوں کا تباہ کن تجربہ لکھا تھا۔اوربعض تو اس کا رشتہ اڑن طشتری سے قائم کررہے تھے،مگرکوئی بھی ابھی یقینی طور پرنہ کہہ سکتا تھا کہ وہ کیا ہے؟

شہر سے دور بھنگیوں کی کالونی میں بلوامہترا اپنے جھونپڑے کے چوبارے میں حقہ لیے بیٹھا اپنی برادری کے سب لوگوں پر دھونس جمارہا تھا کہ وہ تو میں نے رات کوایک مٹھ بھیجی تھی،جرا(ذرا)یونہی دیکھنے کیلیے کہ کتنا کام کرتی ہے۔

شہر کے ایک پروفیسر سحریات(Magician) جوانگریزی سے نابلد ہوتے ہوئے بھی اپنی ہر بات انگریزی میں ہی دوسروں کوسمجھانے کی کوشش کرتے،صبح سے ہی اپنی جادو کی دکان کے سامنے سینہ پھلائے اس طرح گھوم رہے تھے جیسے یہ سارا ان ہی کا کرشمہ ہے۔

دوپہر ہونے سے پہلے جیسے ہی وہ اپنے عملیات کے کمرے میں تہ بند ہوکرغیر موجود موکلوں کوطلسماتی اثر سے بلانے بیٹھے،ویسے ہی باہر بھاری بھاری بوٹوں کی آواز نے انھیں چونکا دیا۔کوئی زورزور سے دروازہ بھڑ بھڑا رہا تھا۔

''ابے او بنگال کا جادوصاحب۔''باہر سے کسی کی بھاری آواز سنائی دی۔

''ٹھ...ٹھ...ٹھہرو...ابھی،میرے موکل...''انھوں نے اندر سے معذرت چاہی۔

''تمہارے موکل گئے جہنم میں،دروازہ کھولو۔''کسی نے دروازے پرٹھوکر مارتے ہوئے گرج دارآواز میں کہا۔

''مم...میں...تمہیں جادو سے...مکھی بنا کر دلی گیٹ آف انڈیا میں چپکادوں گا۔''

پروفیسر صاحب نے اندر سے آدھی اردواورآدھی انگریزی میں باہر والوں کودھونس دی۔

''ابے او جادوگر کے بچے،دروازہ کھولتا ہے یا توڑا جائے۔''اب کی بار باہر سے کسی

دوسرے کی بگڑی ہوئی آواز سنائی دی۔اور گھبرا کر جادوگر پروفیسر نے دروازہ کھول دیا۔اندر ایک اون میں سلگتے ہوئے کوئلوں سے دھویں کی چادر اٹھ رہی تھی۔اور دروازے کے باہر ایک ہیڈ کانسٹیبل اور دو سپاہی کھڑے تھے۔

''فرمایئے، کیا تکلیف ہے آپ کو؟ کسی مجرم کا پتہ منگوانا ہے، یا قسمت کا حال؟'' پروفیسر نے اپنے معمول کے ڈھنگ کے مطابق دریافت کیا۔

''مگر میں...میں کیوں...کسی کا گلا کاٹا ہے میں نے، کسی کی جیب...''

''وہ تو وہیں ہوگا۔چلے تھے بیچارے جادو کرنے۔''ہیڈ کانسٹیبل نے انھیں ان کے بوڑھے اوورکوٹ کے کالر سے تھام لیا۔

''ارے ارے، میں پروفیسر ہوں، تم نے کوئی شہدا سمجھ رکھا ہے جو گردن تھام رہے ہو، میں معزز آدمی ہوں۔''

''معزز؟ ہونہہ، تب ہی یہ چار سو بیسی کا دھندا لے کر بیٹھے ہو۔چلو تمہاری عزت وہیں کی جائے گی۔''ہیڈ کانسٹیبل نے الفاظ کو چباتے ہوئے کہا۔''لے چلو۔''اس نے کانسٹیبلوں کو حکم دیا۔

باہر پولیس کی جیپ کار کھڑی تھی۔میجک پروفیسر کو اس میں بٹھا کر وہ پولیس اسٹیشن کی طرف چل دیے۔اور محلے کے بہت سے لوگ تعجب و دلچسپی سے پاس کھڑے یہ منظر دیکھتے رہے۔

اس واردات نے پولیس کے تقریباً تمام حلقوں کی توجہ اپنی طرف منعطف کرلی۔ایک سمجھ میں نہ آنے والی حقیقت، جو خدا جانے جادو تھا کہ کوئی بدروح۔کوئی سائنسی حملہ تھا، یا کوئی آسمانی آفت۔اور چھوٹے حلقے تو دور، پولیس کمشنر کے آفیس تک میں اس عجیب واقع پر بہت دیر تک بحث ہوچکی تھی، مگر کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا کہ اسے کسی اور طریقے سے بھی سمجھنے کی کوشش کرتے۔لیکن دو کانسٹیبلوں اور موقع واردات کے دونوں طرف کی عمارتوں کے مکینوں

کے چشمِ دید بیانات نے واردات کو قطعی پراسرار بنا دیا تھا۔ سب سے زیادہ مصروفیت محکمۂ خفیہ کے انچارج سپرنٹنڈنٹ حضور خان کے سر تھی۔ دفتر میں آ کر بیٹھنے کے بعد ٹیلیفون پر وہ اس سلسلے کے ان گنت سوالات کا جواب دیتے دیتے تنگ آ گئے۔ ہر بار فون پر کوئی نہ کوئی اس واردات اور اس نامعلوم آتشی دائرے کے بارے میں پوچھتا۔ رسیور رکھتے ہی گھنٹی بجنے لگتی۔ اس وقت دوپہر کے بارہ بج چکے تھے۔ سامنے میز کی تینوں ٹرے کاغذات سے پر تھیں اور اس قدر مہلت نہیں مل رہی تھی کی ایک کاغذ کو پوری طرح پڑھا جا سکے۔

ابھی وہ ہوم ڈپارٹمنٹ کی طرف سے آیا ہوا ایک سرکلر اٹھا کر پڑھ ہی رہے تھے کہ پھر فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

''اف فوہ۔'' انھوں نے رسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں بھئی، پولیس اس کی تحقیقات کر رہی ہے، ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ وہ کیا بلا تھی۔'' یہ کہہ کر خان نے رسیور پھر رکھ دیا۔ اور سرکلر پڑھنے لگا۔ ابھی مشکل سے چار سطریں ہی پڑھی تھیں کہ گھنٹی کی آواز نے اسے پھر چونکا دیا۔ اس نے جھنجلاہٹ میں رسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ہیلو، کیوں پریشان کر رہے ہیں آپ لوگ، کہہ دیا نا کہ ابھی پولیس تحقیقات کر رہی ہے، کچھ کہا نہیں جا سکتا۔'' وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گئے۔

''آپ شاید زیادہ جھنجلا گئے ہیں۔'' ادھر سے ایک نرم اور ٹھنڈی آواز سنائی دی۔

''اوہ، آئی ایم ساری، سر۔'' سپرنٹنڈنٹ خان چونک پڑا۔ وہ ڈپٹی کمشنر بانٹلے کی آواز تھی۔

''خیر، کوئی بات نہیں، زیادہ مصروفیت میں ایسا ہو جاتا ہے، لیکن ہاں، اس سلسلے میں کوئی خاص رپورٹ؟'' ڈپٹی کمشنر نے پوچھا۔

''ڈیسوزا، اسرار، بالے، رؤف، ابراہیم، یہ سب شہر کے مختلف علاقوں میں اس سلسلے میں گئے ہوئے ہیں، لیکن ابھی تک ان میں کوئی لوٹا نہیں۔ شاید ابھی وہ اصل بات نہیں معلوم

Akram Allahabadi

کر سکے۔''سپرنٹنڈنٹ خاں نے کہا۔''میں خود بھی ان میں سے ضروری کاغذات کو دیکھنے کے بعد راؤنڈ پر جانے والا ہوں۔''وہ بولا۔

''ٹھیک ہے، بہر حال کوئی خاص بات ہو تو مجھے خبر کیجیے، مجھے بھی اس آتشی دائرے کا راز جاننے کی بے چینی ہے۔''ڈپٹی کمشنر نے اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔

''بہت بہتر، میں فوراً مطلع کروں گا۔''یہ کہتے ہوئے دوسری طرف سے رسیور رکھے جانے پر خان نے خود بھی رسیور رکھ دیا۔مگر وہ آپ ہی آپ ان جملوں کو یاد کر کے جھینپ سا گیا، جو اس نے ڈپٹی کمشنر کا فون رسیو کرتے وقت جھنجلاہٹ میں کہے تھے۔بہر حال کچھ دیر کیلیے سب کچھ بھول کر وہ کاغذات دیکھنے میں مشغول ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

شوکت محل پولیس اسٹیشن پر اس وقت سی۔آئی۔ڈی۔انسپکٹر ڈیسوزا اور اسرار احمد دونوں موجود تھے۔وہ سپرنٹنڈنٹ خان کی ہدایت کے مطابق صبح سے اس علاقے میں رات کی حیرتناک واردات کے سلسلے میں عام ماحول کی سن گن لیتے پھر رہے تھے۔اس بارے میں کئی لطیفے وہ سنتے اور دیکھتے آ رہے تھے۔اور تازہ کارٹون وہ بنگال کا جادوگر پروفیسر تھا۔شوکت محل کے باغ کا انچارج انسپکٹر راویل کرسی کی پشت سے ٹکا اسے غور سے دیکھنے لگا، جب ہیڈ کانسٹیبل اسے لے کر اندر آیا۔

''صاحب، یہ پروفیسر بنگال کا جادو ہے۔یہ آج صبح سے ڈینگیں ہانکتا پھر رہا تھا۔لوگوں کو شبہ ہے کہ اس کی کوئی حرکت نہ ہو۔''ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔

''تمہارا نام؟''انسپکٹر راویل نے اس سے رعبدار آواز میں پوچھا۔

''دیکھیے صاحب، میں کوئی غیر شریف آدمی نہیں ہوں کہ آپ مجھے اس طرح کھڑے رکھ کر مجھ سے کوئیشن (سوال) کریں۔''وہ منہ بنا کر بولا۔

Akram Allahabadi

''اوہ، آئی ایم ساری، تشریف رکھیے نا۔'' انسپکٹر راویل نے لہجہ بدل کر اسے کرسی پیش کی۔

مگر وہ بیٹھنا ہی چاہتا تھا کہ راویل کی ڈانٹ اسے سنائی دی۔

''سیدھے کھڑے رہو۔''

جادوگر پروفیسر چونک کر سیدھا ہو گیا۔ ''ہم جانتے ہیں تم کس قدر شریف آدمی ہوتے ہو، ٹھگ کہیں کے۔'' وہ بولا۔

''دیکھیے صاحب، یہ میرے آنر پر یعنی کہ میرے احترام پر، آئی ایم ساری، میری عزت پر حملہ ہے، آپ پولیس آفیسر ہیں۔''

''بکومت۔'' انسپکٹر راویل نے اسے ڈانٹا۔

''اچھا... اچھا... چھا... نہیں بکتا۔'' یہ کہہ کر منہ بنا کر خاموش ہو کر اور اس کے اس انداز پر کوئی اپنی مسکراہٹ نہ روک سکا۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''پروفیسر بنگال۔''

''اصلی نام؟''

''باپ کو معلوم ہوگا۔''

''یوں نہ بتاؤ گے۔'' انسپکٹر راویل اٹھنے لگا۔

''مم مم، میرا اصلی نام ہری داس ہے، جناب۔'' وہ بالآخر بول اٹھا۔

''جھوٹ۔'' اسرار نے کہا۔ ''تم مسلمان معلوم ہوتے ہو۔''

''ہم جادوگروں کی کوئی ذات پات نہیں ہوتی، صاحب۔'' اس نے جواب دیا۔

''ہاں تو، وہ آتشی دائرہ تمہارا جادو تھا، جس نے دو جانیں لے ڈالیں؟ بڑا زوردار جادو کرتے ہو تم؟'' انسپکٹر راویل الفاظ کو چباتے ہوئے بولا۔

Akram Allahabadi

''مم، میرا، نہیں صاحب، بھلا میں اتنا جادوگر تھوڑا ہوں۔ میں تو یونہی چھوٹے موٹے چٹکلے دکھا کر پیٹ بھرتا ہوں۔'' وہ گڑگڑانے لگا۔

''محلے کے لوگ کہتے ہیں کہ تم ایسا ہی کہہ رہے تھے؟''

''میں میں میں۔'' وہ ہنس پڑا۔ ''صاحب، وہ تو میں موقع سے بھاگ اٹھا کر ان پر دھونس جما رہا تھا۔'' جادور نے سچ سچ بتایا۔

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم چارسوبیس کرتے ہو؟'' ڈیسوزا بھی بول اٹھا۔

''جی ہاں، جی نہیں، حضور۔ میں غریب آدمی تو اپنا پیٹ بھرتا ہوں۔'' وہ منت سماجت کرنے لگا۔ اس کا سارا مسخرہ پن ہوا ہو چکا تھا۔

''حوالدار، حوالات میں ڈالو انھیں۔'' انسپکٹر راویل نے حکم دیا۔

''صاحب، میں تو غریب آدمی ہوں، صاحب۔'' وہ تقریباً روندھنا سا ہو گیا۔

''تو پھر وہ کیا بلا تھی؟''

''میرا باپ دادا بھی نہیں جانتا کہ وہ کیا ہوتی ہے۔ صاحب، میں نے تو اسے دیکھا بھی نہیں، صرف لوگوں سے سنا ہے۔'' پروفیسر نے بتایا۔

''جانے دیجیے، بیکار آدمی ہے۔'' ڈیسوزا نے آہستہ سے راویل سے کہا۔

''چھوڑ دو اسے۔'' راویل حوالدار سے بولا۔ ''اور دیکھو، مسٹر پروفیسر، یہ اپنی چارسو بیسی بند کر دو ورنہ قانون کا ڈنڈا بہت سخت ہے۔''

''جی جی، بہت خوب، بہت خوب۔'' وہ یہ کہتا ہوا سلام کر کے باہر نکل گیا۔

''ٹائیں ٹائیں فش۔'' اسرار فش کی آواز کو کسی سائیکل کے ٹائر برسٹ ہونے کی آواز کی طرح کھینچ کر بولا۔

''اگر یہ کام انسانی ہاتھوں کا نہیں تو پھر شیطان کا ضرور ہے۔'' انسپکٹر راویل بولا۔

''یہ تو کوئی خاص بات نہیں کی تم نے۔ اس کا نہیں ہوا تو اس کا۔ پھر کیا تم شیطان پر

انڈین پینل کوڈ کی دفعات لگاتے پھرو گے۔''ڈیسوزا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''بہر حال میرے علاقے میں اگر کوئی بھی قابلِ توجہ بات ہوئی تو میں آپ کو فوراً اطلاع کر دوں گا۔''اس نے ڈیسوزا سے وعدہ کیا۔اور ڈیسوزا اور اسرار احمد بھی باہر نکل آئے۔ یہاں ان کی موٹر سائیکلیں کھڑی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆

دو دن تک تمام پراسرار آتشی دائرے کا چرچا رہا اور پھر زندگی کی مصروفیتوں میں لوگ اس بھولنے لگے۔لیکن سپرنٹنڈنٹ خان کے ذہن پر ایک دھن سوار تھی۔وہ نہ کسی آسیب کا قائل تھا اور نہ کسی جادو ٹونے کا۔وہ ان تمام باتوں کو واہیات سمجھتا تھا۔لیکن یہ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر ہے کیا بلا۔کئی گھنٹے اس نے غور و خوج میں گزارے۔ پھر اس نے ان سائنسدانوں سے مشورہ کیا جو اس کے دوست تھے،لیکن تاوقتیکہ اس عجیب شے کو مار گرایا جاتا، سائنسدان اس کی تحقیق کیا کرتے۔

ہر مزجی کی لاش کا پوسٹ مارٹم ہونے پر صرف اتنا معلوم ہوسکا کہ بڑے مہلک زہر سے ان کی موت واقع ہوئی ہے،لیکن اس کے اسباب اسرار اس کے مرتکب کا اب تک پتہ نہ تھا۔ مل مزدور اور سڑک کے ایک آوارہ کتے کی جلی ہوئی لاش کا بھی پوسٹ مارٹم کیا گیا،لیکن ان لاشوں سے عجیب سی بو آتی تھی،ایک ایسی بدبو جو ڈاکٹروں کی سمجھ میں نہیں آسکی۔رپورٹ میں صرف اتنا بتایا گیا کہ نامعلوم طریقے پر وہ اس بری طرح جلائے گئے ہیں کہ اندر کے اعضا بھی اس کی لپیٹ میں آگئے۔

اس رپورٹ سے بھی پولیس کو کوئی مدد نہ ملتی تھی۔ڈاکٹر کوئی بڑے سائنسداں نہ تھے کہ وہ یہ بھی معلوم کر سکتے کہ موت کا سبب کوئی آگ تھی یا کوئی آتشگیر مادہ۔

اس نے اپنے آدمی چاروں طرف پھیلا دیے تھے اور خاص کر شہر کے چار بڑے

اور مشہور سائنسدانوں کی قیام گاہوں اور ان کی تجربہ گاہ کے نزدیک، خفیہ پولیس کے سفید لباس والے آدمی متعین تھے، جو راتوں کو بیدار رہ کر پہرہ دیتے کہ مبادا کوئی خوفناک تجربہ ہو۔ شہر کے باہر والی پولیس اور چنگی کے چوکی کے سنتری کا بیان بھی تنویر کے ذریعے خان تک پہنچ چکا تھا۔ اسے اب تک محض ایک جھلک یا فینٹیسٹی سمجھ کر ریکارڈ نہیں کیا گیا تھا، لیکن خان اب سنجیدگی سے اس پر سوچ رہا تھا۔

اگر وہ سرخ دائرہ وہی تھا جو اس سنتری نے دیکھا تھا، تو اس طرح کم از کم اس کی سمت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ اس پولیس چوکی پر اب خان نے ابراہیم کی ڈیوٹی لگا دی تھی۔ اوور یہ ڈیوٹی ساری رات کی تھی، لیکن دو دن تک ابرہیم کی طرف سے بھی کوئی رپورٹ نہیں ملی۔

بظاہر ماحول پرسکون ہو گیا تھا، لیکن پولیس دفاتر میں اب بھی استفسارات کا تانتا لگا ہوا تھا۔ اور پولیس کے پاس کوئی ایسا موزوں جواب نہیں تھا جو انھیں مطمئن کر سکتا۔

مگر ان سب سے زیادہ مسز ہرمز جی کی فکر نے سپرنٹنڈنٹ خان کو پریشان کر دیا تھا۔ وہ اگرچہ اب بہتر حالت میں تھی، لیکن اس کی جوان لڑکی کی گمشدگی ہرمز جی کا قتل اور آتشزدگی کی واردات تین علیٰحدہ علیٰحدہ واقعات بن گئے تھے۔ اگرچہ وہ سب ایک ساتھ وقوع پذیر ہوئے تھے۔ ہرمز جی کے قتل، یا اس کی پراسرار موت کے اسباب بظاہر کچھ سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ اس کے دوستوں اور قریبی کاروباری تعلقات رکھنے والوں کے بارے میں بھی پولیس تحقیقات کر چکی تھی۔ اس سے نہ کسی کو رقابت تھی، نہ کوئی جھگڑا یا مقابلہ۔ اور پھر وہ مسز ہرمز جی کے اس آسیبی نظریے کو تسلیم کرنے کو مضحکہ خیزی یا وہم تصور کر رہا تھا کہ فیروز کی بھٹکتی روح ان کے گھر میں آتی تھی اور کیونکہ ہرمز جی اس طرح مرے، جس طرح فیروز کی موت ہوئی تھی، اس لیے وہ فیروز کی بری روح کے اثرات ہی سمجھ رہی تھی۔ خان نے اسے سمجھانے کی بھی کوشش نہیں کی، مگر تمام حالات کا بغور مطالعہ کر لینے کے بعد بھی وہ صرف اس نتیجے پر پہنچ سکا کہ ہو سکتا ہے کہ اس آتشزدگی کا تعلق اس سرخ دائرے والی پراسرار طاقت سے نہ

ہو، لیکن آتشزدگی، ہرمز جی کا قتل (جسے پولیس نے اب تک خودکشی ظاہر کیا تھا) اور اس کی جوان لڑکی کا اغوا، تینوں تین مختلف پہلو رکھتے تھے۔ دوسروں کی نظر میں ہرمز جی نے کوئی زہر پی کر خود کشی کر لی تھی، لیکن ان کے برعکس خان اسے قتل کی واردات گردان چکا تھا۔ اس نظریے کی بنیاد یا وجوہ کیا تھیں، یہ ابھی اس نے کسی کو نہیں بتایا تھا۔ تقریباً تمام پارسی حلقوں اور مشتبہ علاقوں میں ہرمز کی لڑکی کی تلاش جاری تھی۔ اس کے کمرے کی تلاشی لینے پر ایک سوٹ کیس سے خان کو صرف ایک خطوط کا پلندہ ملا تھا، جس میں کسی ایسے نوجوان کے خطوط تھے جو شاید اس سے محبت کرتا تھا۔ لکھنے والے نے اس میں اپنا اصل نام نہیں لکھا تھا، اور نہ ہی لڑکی کو اس کے نام پروین سے مخاطب کیا تھا۔ ہر خط کے شروع میں ڈارلنگ ڈولی اور آخر میں تمہارا ''ٹیپزی'' لکھا ہوا تھا۔ یہ تمام خطوط بغیر لفافوں کے تھے، اس لیے ان سے یہ اندازہ لگانا تقریباً ناممکن تھا کہ وہ کہاں سے بھیجے گئے ہیں اور کس کے ہیں۔

صرف پروین کی چھوٹی بہن یہ جانتی تھی کہ ایک جوان آدمی جو کبھی کبھی راہ میں انھیں ملا کرتا تھا اور ان کے ساتھ سنیما جاتا تھا، پروین کو ڈولی کہتا تھا اور پروین اسے 'ٹپزی' کہا کرتی تھی۔ پروین اور اس اجنبی کے اس رومان سے اس کے ماں باپ بے خبر تھے۔ اور چھوٹی بہن کے بیان کے مطابق پچھلے کئی مہینوں سے وہ آدمی دکھائی نہیں دیا تھا۔ ان خطوط میں سے بھی بعض پر جو اوپر تاریخیں لکھی تھیں، ان سے بھی اس کی تصدیق نہیں ہوتی تھی کہ سب سے آخری خط ۹ دس مہینے پہلے کا تھا۔

ان خطوط میں صرف اظہارِ محبت اور سماجی مظالم کی شکایتیں تھیں، جس سے کم از کم یہ بات ثابت ہوتی تھی کہ وہ پارسی نہ رہا ہوگا، ورنہ اس طرح ڈر ڈر کر خط نہ لکھتا۔ اور اگر بالفرض اسے پروین کا اغوا کنندہ سمجھ لیا جائے، تب بھی معاملات اس قدر پیچیدہ تھے کہ کسی ایک نتیجے پر نہ پہنچا جا سکتا تھا۔

دو راتوں سے خود سپرنٹنڈنٹ خان بھی تین بجے رات کے درمیان اپنی کار میں شہر

کی سڑکوں کا گشت کر رہا تھا، لیکن سوائے معمولی قسم کے غنڈوں یا فٹ پاتھ کے مکینوں کے اسے نہ تو کوئی قابلِ غور شخصیت نظر پڑی، نہ ہی کوئی غیر معمولی واقعہ سرزد ہوا۔

اس وقت وہ رات کی تاریکی میں اپنی کار کو شہر کے مشرقی سرے پر مہذب اور تعلیمیافتہ شہریوں کے ایک کافی آباد محلے کی ایک تنگ سی گلی میں کار کھڑی کیے اسٹیئرنگ پر سر رکھے کچھ سوچ رہا تھا، اس علاقے کے تعلیم یافتہ افراد میں مہذب صورت لوگ ایسے بھی تھے جن کے کردار پولیس کی نظر میں مشکوک تھے، لیکن ان پر اب تک ہاتھ ڈالا نہ جا سکا تھا۔

وہ اس وقت کافی تھکا ہوا تھا۔ اس کے باوجود نہ جانے کیوں اس کا دل نہ چاہتا تھا کہ سو جائے۔ سارے شہر میں امن و قانون کا نظام بحال رکھنے کی ذمے داری اس کے کندھوں پر تھی اور اتنے بڑے کام میں اسے بسا اوقات شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں سے اٹھارہ اٹھارہ، بلکہ بیس بیس گھنٹے مصروف رہنا پڑتا تھا۔ آج بھی وہ بمشکل دو گھنٹے سو سکا تھا۔ اس وقت اس کا سر بھاری ہو رہا تھا، مگر اس کا دل اندر سے ایک عجیب سی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ شاید اس وجہ سے بھی کہ اب تک ان پراسرار وارداتوں کے پیچھے کام کرنے والی کسی طاقت کا کوئی سراغ نہ مل سکا تھا۔

کار کے ڈیش بورڈ کی چھوٹی سی گھڑی کا ریڈیم پالش والا ڈائل چمک رہا تھا۔ اس وقت ۲ بج کر ۳۵ منٹ ہوئے تھے کہ اچانک وائرلیس رسیونگ سیٹ کے اسکرین سے بھرائی ہوئی سی ایک آواز نکلنے لگی، جیسے بہت دور سے کوئی پکار رہا ہو۔

''ہیلو، باس، آئی بی ہیر۔ ہیلو، باس، آئی بی اسپیکنگ اوور۔ آئی بی کالنگ باس اوور۔''

''خاں ہیر، کمان آئی بی، اوور۔ خان اٹنڈنگ، اسپیک اوور۔'' سپرنٹنڈنٹ خان نے ماؤتھ پیس اٹھا کر جواب دیا۔

''ابھی ابھی میں نے آسمان پر اس پراسرار آتشیں دائرے کو پرواز کرتے دیکھا ہے،

اوور۔وہ مشرق کی سمت میں گیا ہے،اوور۔''

''مشرق کی سمت میں؟''خان چونک پڑا۔

''یس باس،اوور۔''

''کوئی اور بات،اوور۔''

''صرف اسی قدر،اوور۔''آئی بی نے جواب دیا۔

''تم ابھی وہیں رہو،اوور۔''یہ کہہ کر خان نے سوئچ آف کردیا اور پھر ایک منٹ بعد اسے آن کر کے خود کمیونیکیٹر کے ذریعے کال کرنے لگا۔

''ہیلو،بی بی،خان کالنگ،اوور۔بی بی خان کالنگ۔''

''آئی ایم ناٹ بی بی،آئی ایم بابا اسپیکنگ،سر،اوور۔''اچانک دوسری طرف سے جواب سنائی دیا۔خان مسکرایا۔

''او بابا کے بچے،سیدھے ایسٹ ڈویژن کے کالٹیکس شو اسٹینڈ پر پہنچو،اوور۔پہنچنے میں دیر کی تو سخت سزا ملے گی۔''خان نے یہ کہہ کر ماؤتھ پیس رکھ دیا۔اور گاڑی اسٹارٹ کر کے اسے مین روڈ پر لے آیا۔کچھ دیر بعد اس کی گاڑی مشرق ڈویژن کی بڑی سڑک پر دوڑ رہی تھی، لیکن ابھی وہ راستے میں ہی تھا کہ اچانک ایک زبردست دھماکہ ہوا اور پھر تلے اوپر کئی دھماکے اسے سنائی دیے۔ٹھیک اسی وقت وائرلیس کمیونیکیشن سیٹ کا رسیونگ انڈیکیٹر پھر اسپارک کرنے لگا۔

''کم آن۔''خان نے اسے آن کرتے ہوئے کہا۔

''ایس پی کے پلیز،ایس پی کے پلیز،ڈی اے کالنگ اوور۔ایس پی کے ڈی اے کالنگ اوور۔''

''ایس پی کے ہیر،کم آن ڈی اے اوور۔''خان نے کہا۔

''کالٹکس شو اسٹور میں آگ لگی ہے۔تیل کی ٹنکیاں آسمان پر اڑ اڑ کر پھٹ رہی

ہیں۔"

"اف، یہی خطرہ تھا۔ خیر، میں وہیں آ رہا ہوں، اوور۔ ایمرجنسی کال نشر کرو، اوور۔"

یہ کہہ کر خان نے ماؤتھ پیس رکھ دیا اور ایکسیلیٹر کے نیچے کا دباؤ بڑھ گیا۔ اس کی کار ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے اور موٹل آئل، کروڈ آئل کے ڈرم اور پیپے گوداموں کی چھتیں پھاڑ کر آسمان پر اڑ رہے تھے۔ سب سے بڑے دھماکے پٹرول کے ٹنکوں کے تھے اور اب آگ بڑی تیزی سے اس زمین دوز ذخیرے کی طرف پھیل رہی تھی جس میں دس ہزار گیلن پٹرول اس وقت موجود تھا۔

کمپنی کے تمام گودام اور اس سے ملحق دفتر کی عمارت آگ کے لپیٹ میں آ چکی تھی اور یہ بھی پتہ نہ تھا کہ واچ اینڈ وارڈ کا وہ عملہ جو رات کی ڈیوٹی پر تھا، کہاں ہے، اور اس میں سے کتنے نذرِ آتش ہو گئے ہیں اور کتنے بچ سکے ہیں۔

خان نے اپنی موٹر کار برماشیل اسٹیٹ کے بیرونی خاردار تاروں والی حدود میں داخل کرتے ہوئے مقامِ آتشزدگی سے بہت دور کار روک لی اور وہاں سے پیدل روانہ ہو گیا۔ آگے اسے پولیس کی دوسری گاڑیاں بھی کھڑی نظر آئیں۔ ان میں پولیس کمشنر کی بھی گاڑی موجود تھی اور کچھ دور آگے کمپنی کے احاطے کی فصیل کے اندر ان گنت لوگ ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہنگامی طور پر فوجی رضا کار بھی طلب کر لیے گئے ہیں۔ اور شہر کے تمام فائر اسٹیشنز کے فائر انجن آگ بجھانے میں مصروف تھے، یہاں سے شہر تک مسلسل ایمرجنسی کال پر دوڑ رہے تھے۔ سول اسپتال اور چھاؤنی کے ملٹری اسپتال کی ایمبولینس گاڑیاں برابر دوڑ رہی تھیں۔ ان دھماکوں کے ساتھ پھٹ پڑنے والے ڈبوں اور گوداموں کی دیواروں کے پرخچے اڑے تھے۔ منتشر ہونے والے ملبے نے اب تک دو درجن آدمی بری طرح زخمی کیے تھے اور دو موتیں ہو چکی تھیں۔

Akram Allahabadi

اس نفسانفسی کے ماحول میں سب ہی حیران وسراسیمہ نظر آرہے تھے۔خان نے پہنچتے ہی پہلے اسٹیٹ کے تاروں والے بیرونی احاطے کے گرد پولیس متعین کردی، تاکہ پبلک تماشہ دیکھنے نہ دوڑ پڑے، ورنہ بے احتیاطی سے قریب آنے والوں کی وجہ سے حادثوں میں اور بھی اضافہ ہوجائے گا۔

پولیس کمشنر اسے دیکھتے ہی پلٹ پڑا۔

''یہ سب کیا اندھیر ہورہا ہے۔'' اس نے غصے سے جھنجلاتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔اگرچہ خان کو اس وقت اس کا یہ موڈ کافی ناگوار گزرا، لیکن ضبط کرگیا۔

''میں بھی اسی قدر جانتا ہوں، جس قدر آپ۔'' اس نے مؤدب رہ کر جواب دیا۔

''تعجب ہے، کمپنی کے منتظمین اور واچ اینڈ وارڈ کے سپرنٹنڈنٹ کا بیان ہے کہ یہ آگ آپ سے آپ نہیں بھڑکی، بلکہ بڑے پیمانے پر لگائی گئی ہے۔'' کمشنر نے کہا۔

''جی ہاں، معمولی آگ تو یہاں فوراً قابو کی جاسکتی ہے، یہ آگ تو بیک وقت تین گوداموں میں لگی اور ٹنکیاں اچانک ایک ساتھ پھٹی ہیں۔'' پاس ہی کھڑے ہوئے کمپنی کے انگریز منیجر نے بتایا۔

''کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی چیز سلسلے سے ان میں آگ لگاتی چلی گئی ہے؟''

''شاید۔یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔کیونکہ میں اس وقت سویا ہوا تھا، دھماکے کی آواز سن کر چونکا۔'' منیجر نے بتایا۔

''کیا ڈیوٹی پر موجود چوکیداروں یا پہرے داروں میں سے ابھی تک کوئی نہیں ملا؟'' خان نے سوا کیا۔

''صرف دو لاشیں ملی ہیں، جلی ہوئی۔'' کمشنر نے خود ہی بتادیا۔

اتنے میں ایک بریگیڈ کمانڈر نے آکر خبر دی کہ گوداموں کی آگ پر قابو پالیا ہے، لیکن وہ ملبے کا ڈھیر بن چکے ہیں۔''

Akram Allahabadi

دھماکے اب بند ہو چکے تھے، لیکن اب بھی اس بات کا خطرہ تھا کہ زمین دوز پٹرول کے ذخیرے تک آگ کو پہنچنے سے روکا گیا ہے، وہ قطعی طور پر قابلِ اطمینان نہیں ہے۔ بظاہر شعلے سرد ہو چکے ہیں، لیکن ہوا تیز چل رہی تھی اور جلے ہوئے ملبے سے چنگاریاں اب تک اڑ رہی تھیں۔

''کسی طرح بھی زمین دوز ذخیرے کو بچایے۔'' منیجر نے فائر آفیسر اور پولیس کمشنر سے التجا کی۔

''بھئی خان صاحب، کچھ کیجیے نا۔'' کمشنر نے اپنا لہجہ بدل کر سپرنٹنڈنٹ خان سے فرمائش کی۔

''میں ابھی اس کا بندوبست کرتا ہوں۔'' یہ کہتا ہوا خان کچھ دور سے گزرنے والے سارجنٹ کو بلا لے، اسرار اور ڈیسوزا کو ڈھونڈ کر لانے کی ہدایت دیتا ہوا جلے ہوئے گوداموں کی مغربی سمت میں بھاگا۔

''حضور، آپ بھاگ رہے ہیں۔'' کسی طرف سے جرنلسٹ تنویر کی آواز سنائی دی۔

''وقت نہیں ہے، پیچھے آؤ۔'' خان لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا اس کی طرف دیکھے بغیر چلتا گیا۔

''معاف کیجیے صاحب، کم از کم میں تو کسی کو پیٹھ نہیں دکھاتا۔'' تنویر پاس ہی کھڑے ہوئے ایک شیشم کے درخت سے کسی برساتی بھوت کی طرح کود پڑا۔ اور تیز تیز قدم اٹھا کر خان کے نزدیک پہنچ گیا۔

''تم درخت پر کیا کر رہے تھے، چلو آؤ میرے ساتھ۔''

''میں اوپر چڑھ کر آم توڑ رہا تھا۔''

''فضول باتوں کا وقت نہیں ہے۔'' خان چلتے چلتے کہنے لگا۔

Akram Allahabadi

''ایسا پیارا پیارا منظر لگتا ہے اوپر سے، اڑتے ہوئے ڈرم، پھٹتے ہوئے پیپے، بس جیسے طلسم ہشر با کا افراسیاب جادوگر بگڑ گیا ہو۔'' تنویر مستی کرتے ہوئے کہنے لگا۔ وہ بھی اسی تیز رفتار سے خان کے ساتھ چل رہا تھا۔

''میں نے کہہ دیا نا کہ فضول...'' خان نے کہنا چاہا، مگر تنویر نے بات کاٹ دی۔

''مصیبت کے وقت رونا تو نہیں چاہیے، وہ بے چارہ انگریز منیجر تو مزے سے سگریٹ پی رہا ہے۔'' تنویر نے کہا۔

''سگریٹ پی رہا ہے؟ کون؟''

''وہی منیجر جس سے ابھی آپ بات کر رہے تھے اور میں درخت پر چڑھا اقوام متحدہ کے کسی غیر جانبدار مشاہد کی طرح سب کچھ دیکھ رہا تھا۔''

''انگریز ہو جانے والے نقصان کیلیے رویا نہیں کرتے۔''

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔''

''مگر ہمیں بیرونی زمین دوز ذخیرے کو بچانا ہے۔''

''تو اس میں کیا ہے، آپ کا نشانہ اچھا ہے، جو شعلہ اڑتا ہوا آئے اس پر گول چلا دیجیے۔''

''میں تمہیں سب سے پہلے اس جہنم میں دھکیلوں گا۔''

''جرنلسٹ پیدائشی جنتی ہے، ویسے ایک ترکیب سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ کہ اول تو زمین دوز ذخیرے تک پہنچنے والا زمین دوز پائپ نیچے سے کٹوا دیجیے تا کہ نیچے سے آگ پہنچنے کا خطرہ نہ رہے، دوسرے اس کے حصوں میں بھیگے بھیگے تارپولین ڈلوا دیجیے۔'' تنویر نے رائے دی۔

''تقریباً یہی میں سوچ رہا تھا، تم ضرور ایک اچھے فائر فائٹر ہو سکتے ہو۔'' خان نے فصیلی حدود سے نکلتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''مگر یہ بات تو فائر بریگیڈ والوں کے سوچنے کی بات تھی؟''

''وہ لوگ آگ پر قابو پانے میں بری طرح مصروف ہیں۔''

''تو پھر؟''

''تم پلٹ جاؤ اور فائر آفیسر سے کہہ کر فوراً بھیگے تارپولیس بھجوادو۔'' خان نے اسے ہدایت کی۔ اور وہ گردن ہلا کر لوٹ گیا۔

فصیل کے باہر بھی پولیس کے آدمی ادھر ادھر دوڑتے نظر آرہے تھے، ان میں سے بعض اپنے افسروں کے سامنے زبردستی کارکردگی کا اظہار کرنے کیلیے فضول ہی دوڑ رہے تھے۔ ایک انسپکٹر اسے دیکھتے ہی اٹینشن ہوگیا۔

''دس پندرہ آدمی لے کر فوراً میرے ساتھ آیے اور کسی کو بھیج دیجیے کہ وہ کہیں سے جس قدر رکدالیں مل سکیں لے آئیں۔ ساتھ ہی بجلی کے ڈرلر اور اسٹیل کٹر بھی لایے۔'' خان نے اسے حکم دیا۔ اور اٹینشن ہوکر اثبات میں سر ہلاتا ہوا لمبے لمبے قدم اٹھات چلا۔

جس وقت وہ زمین دوز ذخیرے کے اوپری پمپنگ ااور ٹرانسفرنگ اسٹیشن کے نزدیک پہنچا تو وہاں پہلے سے فائر بریگیڈ کے کچھ آدمی اور ایک انجن احتیاطاً پہنچ چکا تھا۔ کچھ فوجی رضاکار اور اپنے کوارٹروں سے آئے ہوئے کمپنی کے کچھ آدمی بھی موجود تھے، لیکن خطرہ ابھی اس ذخیرے کے نزدیک نہیں پہنچا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ وہ کسی وقت بھی پہنچ سکتا تھا۔ پانچ منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ دوسرے راستے سے پولیس کی ایک جیپ آپہنچی۔ اس میں تنویر تر تر تارپولین لے کر آیا تھا، جنہیں فوراً دور تک پھیلا دیا گیا۔ اس کے پیچھے ہی دوسری گاڑی بھی آگئی۔ اس میں بھی تارپولین تھے۔ انھیں پورے حلقے میں اور پمپنگ اور ٹرانسفرنگ اسٹیشن کے اوپر پھیلا کر اوپر سے پانی کی بوچھاڑ مار کر تر کر دیا گیا۔ اور ان کے نیچے ریت کے بورے بچھادیے گئے۔ گاڑی کے ساتھ ہی اسرار اور بالے بھی آگئے تھے۔ یہ کام خان نے ان کے سر چھوڑ دیا تھا۔ پھر وہ ٹرانسفرنگ اسٹیشن کے انچارج آفیسر کے ساتھ ذخیرہ گاہ سے تباہ شدہ

گوداموں کی طرف چل پڑا۔ مین دوز پائپ لائن کہاں اور کدھر بچھی ہے، یہ انچارج آفیسر کو معلوم تھا۔ وہ تو تقریباً دوسو قدم آ کر ایک جگہ رک گئے۔ یہاں بمشکل چند منٹ گزرے ہوں گے کہ کدالیں وغیرہ لانے کیلیے بھیجا گیا انسپکٹر بھی دس بارہ آدمیوں کے ساتھ آ پہنچا۔ انچارج آفیسر کے اشارے پر وہ سب اس جگہ زمین کھودنے میں مصروف ہو گئے۔ کدالیں باہر والے لیبریوں سے مل گئی تھیں۔

"بیٹے جرنلسٹ، تم بھی اٹھاؤ نا کدال، سمجھ لو یہ کمیونٹی پروجیکٹ ہے اور تم اس کا افتتاح کر رہے ہو۔" خان نے تنویر کے ہاتھ میں کدال دیتے ہوئے کہا۔ اور خود بھی، سپرنٹنڈنٹ خان، زمین کھود رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں ہی وہ پائپ لائن نظر آنے لگی۔ یہ تقریباً ۱.۵ (ڈیڑھ فٹ) قطر کا پائپ تھا۔ اشارہ پاتے ہی فولاد توڑ ڈرلز نے کسے ہوئے بولٹ توڑنا شروع کر دیے۔ ٹرانسفرنگ سیکشن کے انچارج آفیسر کا اندازہ صحیح تھا۔ زمین ٹھیک اسی جگہ کھودی گئی تھی جہاں پائپ میں جوڑ تھا۔

ذرا سی دیر میں پائپ کے دونوں حصے علیٰحدہ کر دیے گئے اور پائپ کے ذریعے نیچے سے ذخیرے تک آگ پہنچنے کا خطرہ روک دیا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

نیا وہم

بڑی مشکل سے برماشیل کا زمین دوز ذخیرہ محفوظ رکھا گیا۔ وہ رات پولیس، فائر بریگیڈ اور اس علاقے کے فوجی رضا کاروں کی زندگی میں ایک ہنگامی رات تھی۔ انھیں تمام رات مصروف رہنا پڑا۔ ویسے گوداموں کے ملبے میں آگ دوسرے دن کی دوپہر تک سلگتی رہی۔ دوسرے دن دوپہر تک واچ اینڈ وارڈ کے ۶ آدمیوں کی جلی ہوئی لاشیں ملی اور پولیس اور فوج کی رضا کاروں میں چھ افراد زخمی ہوئے۔ کوارٹروں سے نکل کر مدد کیلیے دوڑنے والے کمپنی کے عملے میں سے بھی تین آدمی شدید طور پر مجروح ہوئے تھے۔ اور ان میں سے ایک کی حالت زیادہ نازک تھی۔ حادثے کے اسباب تو ابھی تک معلوم نہ ہو پائے تھے اور موقع پر ملنے والے جس قدر آدمیوں کے بیانات لیے گئے، سب نے لاعلمی ظاہر کی۔ ہر ایک یہ کہتا تھا دھماکے کی آواز سن کر جب وہ دوڑا تو تینوں گوداموں سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ صرف تینوں مجروحین کے بیانات باقی رہ گئے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ خان کو اگرچہ آتشزدگی کی وجوہ کی متعلق کچھ اور ہی شبہ تھا، لیکن ابھی نہ تو اس کی تصدیق ہو سکی تھی، نہ کوئی ایسا واضح ثبوت تھا جس سے اس شبے کو ایک واقعی امکان کی شکل دے سکے۔ وہ جانتا تھا کہ ابھی اس کے اندازے پر یقین کرنے کی بجائے اس کا مضحکہ اڑایا جائے گا، اس لیے اس نے خاموشی بہتر سمجھی۔ گزشتہ شب کے اس عظیم حادثے کے بعد سے پولیس کمشنر کا موڈ بگڑا ہوا تھا اور خان دانستہ طور پر آج اس سے ملا بھی نہیں۔

صبح سے ہرمز کی موت، اس کی لڑکی کا اغوا، مل مزدور کی موت، پراسرار سرخ دائرہ اور برماشیل کے اس زبردست آتشزدگی کی وارداتوں کو ذہن میں ایک سلسلے سے رکھ کر غور کر رہا تھا۔ بالے کچھ دیر اس کا مغز چاٹنے کے بعد برآمدے میں آ کر دونوں کتوں سے کھیلنے لگا تھا۔ بیگی

اور ٹائیگر خان کے انگریز نسل کے وفادار کتے تھے۔ راتوں کو ان سے بہتر اس بنگلے کی پہرے داری پولیس کے دو مسلح کانسٹیبلوں سے بھی مکمل نہ تھی۔ لیکن ان کے ناز بھی اتنے ہی اٹھائے جاتے۔ غلام رسول تو زیادہ مسلمان قسم کا آدمی تھا، اس لیے وہ ان کتوں کو ہاتھ لگانے سے بھی پرہیز کرتا، بلکہ اتفاق سے اگر بیگی یا ٹائیگر میں سے کوئی اس کے پیر پر منہ بھی رکھ دیتے تو وہ اس پیر کو کم از کم سات بار ضرور دھوتا۔ البتہ بڈھا مالی شیر و کتوں کا بہت خیال رکھتا تھا۔ وہی انھیں روز صابن سے نہلاتا اور وہی ناشتہ دیتا۔ بالے کو جب باہر جانے کی اجازت نہ ملتی اور خان تخلیہ طلب ہوتا تو وہ اس جھنجلاہٹ میں اکیلا بیٹھ کر بیگی اور ٹائیگر سے عجیب عجیب سی باتیں کیا کرتا تھا۔

خان بہت دیر سے اندر والے کمرے میں تھا اور اس درمیان میں دو تین بار بالے دروازے پر دستک دے کر اندر آنے، یا پھر مکان سے باہر جانے کی اجازت مانگ چکا تھا، مگر ہر بار اسے صرف ایک ہی جواب ملا۔

''چپ چاپ بیٹھو۔''

''نہ جانے کیا تیر مار رہے ہیں آپ اندر پسند ہو کر؟'' بڑبڑاتا ہوا پھر اپنی جگہ جا بیٹھا۔ میگی اچھل کر اس کی گود میں آ گئی۔

''چل... ہاٹ... کمبخت۔'' وہ ہٹ کی ہ کو کھینچ کر چیخا۔ ''تیرا یار اندر ہے، مجھ سے کیوں نخرے کرتی ہے۔'' اس نے یہ جملہ اتنی زور سے کہا کہ خان بھی سن لے۔ مگر شاید خان نے اب بھی توجہ نہ دی۔ اب اس کے نزدیک خان کو بلانے کا صرف ایک ہی علاج تھا۔ وہ سیدھا باورچی خانے میں گھس گیا اور دوپہر کے کھانے کیلیے تازہ تازہ آئے ہوئے بکری کے گوشت کا ایک بڑا ٹکڑا نکال لایا۔ پھر اس نے میگی اور ٹائیگر کو آواز دی۔ وہ ویسے بھی گوشت کی بو سونگھ کر دوڑ پڑے تھے۔ وہ گوشت دکھا کر اس نے برآمدے میں چھ سات فٹ اونچی الگنی میں ڈور سے باندھ دیا۔ اور دور ایک کرسی پر بیٹھ کر تماشہ دیکھنے لگا۔ پہلے تو میگی اور ٹائیگر پچھلے پیروں سے

اچھل اچھل کر اس بوٹی کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے، جب نہ بن پڑا تو بھونکنے لگے۔ ٹھیک اسی وقت بیچارے خانساماں کی شامت آ گئی۔ بالے نے اس سے کہہ دیا کہ یہ بوٹی نکال کر لے جاؤ۔ وہ سمجھ نہ سکا اور انگنی سے گوشت کو لے کر باورچی خانے کی طرف چل دیا۔ غصے میں بھرے ہوئے ٹائیگر اور میگی اس پر جھپٹ پڑے اور اگر وہ دوڑ کر دروازہ اندر سے نہ بند کر لیتا تو شاید وہ اس کی ٹانگوں کی بوٹیاں نوچ لیتے۔ وہ اب زور زور سے بھونک کر بند دروازے کو پنجے مارنے لگے اور بنگلے میں خاصہ شور مچ گیا۔ بالے اپنی کامیاب شرارت پر مسکرا ہی رہا تھا کہ اچانک اس کا گلا پھسلنے لگا۔

''ارے ارے، کوکو کون ہے؟.... میرا گلا۔''

یہ کیا بیہودگی ہے۔'' خان اس کی گردن کی گرفت سخت کرتے ہوئے بولا۔

''مم... مم... میں کیا جانوں، کتوں سے پوچھیے۔''

''ہاں تم تو قطعی معصوم ہو، حرامخور۔ نہ کام کرو، نہ کرنے دو۔''

''دیکھیے یہ میرے حسنِ کارکردگی پر حرف ہے۔'' بالے نے گردن چھڑا کر اینٹھتے ہوئے کہا۔

''خدا نہ کرے جو آپ کے حسن پر حرف آئے، پھر کون پوچھے گا آپ کو۔'' خان مسکرا کر بولا۔

''لاحول ولاقوۃ۔ کیا مطلب لیا ہے آپ نے۔''

''میں آپ کی طرح عالم فاضل تو نہیں ہوں۔'' خان نے فاضل کے لفظ پر زور دے کر کہا۔

''فاضل کے معنی خارج از ضرورت کے ہیں اور بندہ پولیس ڈپارٹمنٹ کی ناک کا بال ہے۔''

''کدھر ہوتی ہے اس کی ناک؟''

''میرے سامنے کھڑی ہے۔''بالے نے کہا۔اورخان اس پر گھونسہ تان کر ہنس پڑا۔ اتنے میں اسرار اندر آپہنچا۔ وہ شاید کافی تیز رفتار سے چلتا ہوا آیا تھا،جس سے سانس پھول رہی تھی۔

''بن بلائے آنے والے کو بے غیرت کہتے ہیں۔''بالے اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

''جناب غیرت مند کی دم، وہاں ڈپٹی کمشنر صاحب آپ کا نام لے لے کے صلواتیں پڑھ رہے ہیں۔انھوں نے کل سے آپ کا دیدار نہیں کیا ہے۔ذرا تشریف تو لے جایے۔''اسرار نے ٹکڑوں ٹکڑوں میں بگڑے ہوئے لہجے کے ساتھ کہا۔

''اونہہ،ایسے بہت سے بنڈل میری جیبوں میں پڑے رہتے ہیں۔بھلا چہ نسبت بالے راماڈپٹی کمشنر۔''بالے نے لاپرواہی سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اسے بکنے دو،اس کے بہت سے اسکروڈھیلے پڑ گئے ہیں۔''

''صاحب، وہ زخمی ہوش میں آگیا ہے اسپتال میں۔وہ کچھ بولنا چاہتا ہے۔ڈیسوزا صاحب اس کا بیان ریکارڈ کرنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ایس پی، بھائی جی،بھی موجود ہیں۔''

''ابھی تک کچھ بولا؟''خان نے پوچھا۔

''صرف چند الفاظ، جو کسی کی سمجھ میں نہیں آرہے ہیں۔''

''آخر کوئی تو آواز ہوگی ان الفاظ کی؟''

''ساس ساس،فل۔بس اتنا ہی سمجھ میں آتا ہے۔''

''ہُم۔''خان سوچ میں پڑ گیا۔

''پڑھا لکھا آدمی ہے وہ؟''

''ہاں صاحب،اسٹور کیپر ہے۔ڈی سلوا نام ہے اس کا۔''

''اوہ،یہ کہہ کر وہ پھر سوچنے لگا۔

''شاید کچھ نازل ہو رہا ہے۔''

''کیا؟'' خان نے سنے بغیر سر اٹھا کر پوچھا۔

''کوئی پوائنٹ۔''

''ہاں، فلائنگ ساسر۔''

''یعنی اڑن طشتری۔''

''محض اس کا وہم۔'' خان بڑبڑایا۔ ''لیکن میرا خیال صحیح تھا۔ وہ سرخ آتشی دائرے کو ہی اڑن طشتری سمجھا ہے، اس نے ضرور اسے اس طرف آتے، یا اس مقام سے گزرتے دیکھا ہوگا۔''

''یعنی یہ آتشزدگی بھی اسی نامعلوم دائرے کی کارستانی ہے؟'' بالے نے سوال کیا۔

''تمہاری عقل پر ضرور وہم پڑ چکے ہیں جو اتنی اتنی سی بات پوچھتے ہو۔''

''مجھے تو ایک بھی نظر نہیں آتا۔''

''اسرار، گاڑی نکلواؤ، پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ یہ آفت کہاں کہاں آئی ہے۔'' خان نے اسرار کو ہدایت کی۔

''اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں بتا دوں؟'' بالے نے کہا۔ اور خاموشی سے اسے گھورنے لگا۔

''یہ آفت ضرور مریخ سے نازل ہوئی ہے۔''

''بند رکھو اپنی بکواس۔'' خان نے اسے ڈانٹ دیا اور وہ بچوں کی طرح منہ بسور کر خاموش ہو گیا۔

سپرنٹنڈنٹ خان اسی وقت تیار ہو گیا۔ بالے کو اس نے یہیں چھوڑ دیا تاکہ کوئی خاص بات ہو تو وائرلیس سے فوراً اطلاع دے اور اسرار کو کار میں ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔

''کس طرف سے آیا تھا وہ روشنی کا دائرہ؟'' خان نے ناکے کے پاس ہی کار روکتے

Akram Allahabadi

ہوئے ابراہیم سے پوچھا۔

''وہ...اس پہاڑی کے اوپر ہے۔''ابراہیم نے انگلی کے اشارے سے سامنے کی پہاڑی سلسلے کی ایک چوٹی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''کیا شکل تھی اس کی؟''

''بس آگ کا ایک گولہ، روشن دائرہ تھا، جو تیزی سے گھوم رہا تھا۔''

''آؤ دیکھیں ادھر بھی۔''خان نے یہ کہہ کر کار اسٹارٹ کر دی۔ابراہیم پچھلی نشست پر بیٹھ گیا اور ان کی گاڑی بڑی سڑک کو چھوڑ کر پہاڑیوں کے دامن میں جانے والی کچی سڑک پر دوڑنے لگی۔اس سڑک میں بڑے بڑے گڑھے پڑ گئے تھے۔

ابراہیم نے جس پہاڑی کی طرف اشارہ کیا تھا، خان نے کار اسی کے دامن میں روک لی اور اسے ایک گھنی جھاڑی کے سائے میں کھڑی کر کے وہ اس پہاڑی پر چڑھنے لگا۔یہ چڑھائی کچھ زیادہ مشکل بھی نہ تھی۔اوپر تک پہنچنے میں انھیں بمشکل ۲۰ منٹ لگے۔یہاں پہنچ کر انھوں نے دیکھا کہ ساری پہاڑی سنسان پڑی تھی۔معلوم ہوتا تھا جیسے کسی انسان کا ادھر سے گزر ہی نہیں ہوا ہے۔سوائے خودرو جنگلی رختوں کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔خاں یہاں رک کر اطراف کا جائزہ لینے لگا۔

''اس کے اوپر سے گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ سرخ دائرہ پیچھے سے آیا تھا۔''

''مگر ادھر تو چٹیل میدان نظر آ رہے ہیں۔''ابراہیم نے کہا۔

''کچھ بھی ہو، لیکن اس پراسرار طاقت کا مسکن یہیں کہیں ہوگا، کیوں کہ وہ۔۔۔اور وہاں سے کسی ایسی چیز کے گزرنے کی کوئی رپورٹ آج تک نہیں ملی۔''خان نے کہا۔

''ہمیں...وہ دیکھیے، کیا نظر آ رہا ہے۔''اسرار نے پیچھے نشیب کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ تو قبرستان ہے پارسیوں کا۔''خان نے خود ہی کہا، مگر پھر وہ کچھ اور سوچنے لگا۔

''مسز ہرمز نے فیروز کی موت اور اس کی انتقام کی پیاسی روح کا کچھ ذکر کیا تھا؟''

اسرار پوچھنے لگا۔

''ہاں، تو کیا تم آتشی دائرے کو کسی روح کی ایجاد سمجھ رہے ہو؟'' خان نے مسکرا کر اسرار سے پوچھا۔

''جی نہیں۔ میرا مطلب ہے، یعنی کہ پارسیوں میں ایسا عقیدہ ہے کہ اس طرح مرنے والوں کی روح اپنا انتقام ضرور لیتی ہے۔'' اسرار نے جھینپتے ہوئے بتایا۔

''تم پارسی تو نہیں ہو؟''

''خدا بچائے، صاحب۔''

''خیر چلو، ادھر بھی نیچے اتر کر دیکھے لیتے ہیں۔'' خان ڈھلان کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے بولا۔

ڈھلوان پر اترتے ہوئے انھیں پارسیوں کا قبرستان اور صاف نظر آنے لگا۔ اونچائی سے اندر کا سب منظر نظر آرہا تھا۔ اسرار کی روح تو تھرا گئی۔ اس نے بڑے بڑے ناخونوں والے ان چار سیاہ فام آدمیوں کو دیکھا۔ وہ اپنے جسم کے نچلے حصوں پر صرف چندھیا لپیٹے ہوئے تھے۔ ان کے جسم توے کی طرح کالے تھے اور سیاہ چہروں پر ان کے سفید سفید دانت اور آنکھوں کے سفید سفید دیدے بڑے خوفناک معلوم ہو رہے تھے۔

''یہ لوگ کون ہیں؟'' اسرار نے پوچھا۔

''یہ مردوں کے پیٹ پھاڑتے ہیں۔'' خان نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''اور..! اوروہ..'' ابراہیم کی آواز حلق میں اٹک گئی۔ بڑا عجیب منظر تھا۔ بیچ قبرستان میں ایک کنواں تھا، جس کے اوپر ایک بلّی آڑی لگی تھی اور کسی تازہ مردے کا پیٹ پھاڑ کر اس کے اوپر الٹا لٹکا دیا گیا۔ اس کی لاش کو اوپر منڈلاتے ہوئے چیل، کوے اور گدھ نوچ رہے تھے۔

''جب صرف ڈھانچہ رہ جاتا ہے تو اسے کنوئیں میں گرا دیا جاتا ہے۔'' خان نے

بتایا۔

''یہ بڑا عجیب طریقہ ہے۔''

''وہ سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی انسان کسی کے کام آ گیا۔مثلاً چیل، کوؤں اور گدھوں کے۔''

''بڑے نیک لوگ ہیں بیچارے۔جنم بھر شراب کا دھندا کرتے ہیں اور مرنے کے بعد۔''

''اتنے میں وہ ڈھلوان اترتے ہوئے اس قبرستان کے دروازے پر پہنچ گئے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔

''اب یہاں کیا تحقیقات فرمائی جائے گی؟''

''کچھ نہیں، محض تفریح۔''

''کیا اس کیلیے قبرستان سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں مل سکتی؟''

''میں خود کسی آسیبیت پر یقین نہیں کرتا، لیکن بہر صورت ہمیں اس پہاڑی پر نگرانی رکھنی ہوگی تا کہ کم از کم اس پراسرار سرخ دائرے کے پرواز کا مقام معلوم ہو سکے۔''

''اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بہت دور پیچھے سے اڑ کر آتا ہو۔''خان نے سنجیدگی سے کہا۔ ''اس وقت کوئی اور حکم ہے؟''اسرار نے اسے سنجیدہ پا کر ادب سے پوچھا۔

''تم لوگ اس قبرستان کا بھی ایک چکر لگا ڈالو، ممکن ہے کوئی چیز قابلِ توجہ ہو۔''خان نے ہدایت کی۔

''یعنی کہ صرف باہر سے نا؟''اسرار نے اپنے حلق پر ہتھیلی پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''وہ تمہیں مار تو نہیں ڈالیں گے۔ ویسے اندر جانا اتنا ضروری بھی نہیں، اگر تم قبرستان کی چار دیواری پر چڑھ کر اندر کا جائزہ لے سکو۔''خان نے ہدایت کی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

چار وحشی

اس پہاڑی کا سروے نمبر ۳۷ تھا۔

سپرنٹنڈنٹ خاں بہت عرصہ پہلے ٹریونڈرم کا ''خونی بادل'' والا کیس پڑھ چکا تھا۔ اسے پارسیوں کے قبرستان یا اس کے پرہول ماحول سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اسرار اور ابراہیم کو ادھر لگا کر وہ پہاڑی کے دامن میں اور اس سے ملے ہوئے دوسرے ٹیلوں کے ان غاروں کی تلاشی لینے لگا، جن میں سے بعض میں ۔۔۔نے اپنی ۔۔۔ بنا رکھی تھیں۔ محض شبہ ہی سہی، لیکن حالات اتنے پراسرار تھے کہ اپنے ہر شبے کی تصدیق کرنی پڑ رہی تھی۔ خونی بادل بھی اسی طرح ایک غار میں رہا کرتا تھا، ممکن ہے یہ بھی اسی قسم کی چیز ہو۔ اس خیال سے وہ غاروں کو بغور چیک کر رہا تھا۔ ان میں سے بعض میں جانوروں کی بیٹ پڑی بدبو دے رہی تھی۔ اسرار اور ابراہیم دیر تک قبرستان کی فصیلیں چڑھ کر ادھر ادھر نظر دوڑاتے رہے، لیکن سوائے ایک چھوٹے سے پختہ کبیلو وں والے مکان کے انھیں کچھ نظر نہ آیا۔ شاید وہ چاروں سیاہ فام وحشی اسی میں رہتے ہیں۔

اس کے دروازے پر اس وقت تالہ پڑا تھا اور اس مکان کی دو تین کھڑکیاں پچھلی چار دیواری میں تھیں، جو بند تھیں۔ وہ چاروں وحشی اس وقت ایک درخت کے سائے میں بیٹھے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ ان کے سیاہ فام جسم چمک رہے تھے۔ کبھی کبھی جب وہ دانت کھول کر ہنسنے لگتے تو اور بھیانک معلوم دیتے۔ ان کے ناخن تقریباً ایک ایک انچ بڑھے ہوئے تھے۔ وہ پورے غول لیانی معلوم ہوتے تھے۔ واپس لوٹتے ہوئے سپرنٹنڈنٹ کو غائب پا کر وہ چونک پڑے۔

''صاحب کہاں چلے گئے؟'' اسرار نے ابراہیم سے پوچھا۔

''وہی میں سوچ رہا ہوں۔'' ابراہیم بولا۔ اور پھر وہ اسے اطراف میں تلاش کرنے لگے۔ قبرستان کے گرد بھی انھوں نے دو تین چکر کاٹے، مگر خان انھیں نظر نہ آیا۔

تیسری بار جب وہ قبرستان کی چار دیواری کے نزدیک سے گزر رہے تھے کہ کسی کی دردناک چیخ نے اچانک انھیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

''سنتے ہو؟'' اسرار نے کان کھڑے کرتے ہوئے کہا۔

''کسی مردے کا پیٹ پھاڑا ہوگا ان جنگلیوں نے۔'' ابراہیم سادگی سے بولا۔

''احمق، مردے بھی لیں چیختے ہیں۔'' اسرار نے جھلجلا کر اسے جھاڑ سنائی۔

''تو پھر؟'' ابراہیم سوچ میں پڑ گیا۔ ''آواز تو کسی عورت کی ہی ہو سکتی ہے، یا شاید کوئی چڑیل نہ ہو۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے بولا۔ مگر پھر ایک بار وہی چیخ سنائی دی۔

''آواز اس قبرستان والے مکان کی طرف سے آ رہی ہے۔ شاید ان بند کھڑکیوں والے کمرے سے ہو۔'' اسرار نے چار دیواری کی طرف اشارہ کیا۔

''تو کھڑکیاں کھول کر دیکھ لیجیے۔''

''وہاں تک پہنچنے کیلیے سیڑھی ساتھ لائے ہو؟''

''فصیل پر چڑھ کر کوشش کریں۔''

لیکن ابھی وہ فیصلہ نہ کر پائے تھے کہ تیسری چیخ سنائی دی۔ یہ بھرائی ہوئی تھی۔ اسرار جست کر کے ایک خشک درخت کے تنے کے سہارے فصیل پر پہنچ گیا۔ اندر وہ سیاہ فام وحشی اب بھی موجود تھے، لیکن اس وہ صرف تین تھے، ان میں سے ایک غائب تھا اور اس مکان کے دروازے کا تالا بھی کھلا ہوا تھا۔

''ضرور کچھ کال میں کچھ دال ہے۔'' اسرار محویت میں الٹا کہہ گیا۔

''تو پھر اندر چل کر دیکھیے نا۔'' ابراہیم نے مشورہ کیا۔

اسرار پھر فصیل سے نیچے آ گیا۔

''ریوالور ہے نا جیب میں؟''اس نے ابراہیم سے پوچھا۔

''بھلا ایسے موقع پر اور نہتے رہیں۔''

''تو چلو۔''

وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے قبرستان کے دروازے پر آ گئے۔یہ دو موٹے مضبوط چوبی پٹوں والا دروازہ تھا،جس پر لوہے کی پٹیاں لگی ہوئی تھیں۔اسی دروازے میں ایک چھوٹا سا دروازہ بھی کاٹ کر بنایا گیا تھا،جو اندر سے بند تھا اور شاید صرف اسی کو کھولا بند کیا جاتا رہا ہوگا۔

''یہ اسی بڑے دروازے کا بچہ ہے،اسی کو پیٹنا چاہیے۔''یہ کہہ کر ابراہیم چھوٹے دروازے کو بھڑ بھڑانے لگا۔شاید دو منٹ کے بعد کسی نے اندر سے دروازہ کھولا۔

''کیا لاش لائے ہو؟''اس نے سر باہر نکالے بغیر بھاری سی بھدی آواز میں پوچھا۔

''تم باہر آؤ۔''اسرار نے باہر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

''ہم کبھی اس چار دیواری سے باہر قدم نہیں رکھتے،نہ ہی کوئی باہر کا آدمی اندر آتا ہے۔''وہ اندر سے بولا۔''وقت خراب مت کرو،تمہیں کیا چاہیے؟''

''اور لیجیے ان کا وقت بھی قیمتی ہے۔''ابراہیم نے اسرار کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''بس وہی نمبر ۳ کاروائی کرو۔''اسرار نے اسے اشارہ کیا۔ابراہیم نے سر ہلا دیا۔

ابراہیم کھڑکی میں اچانک داخل ہوگیا،اس کے پیچھے اسرار تھا،لیکن فوراً بعد ہی ابراہیم کو چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔اس کی کنپٹی پر ایسا مضبوط گھونسہ پڑا تھا کہ وہ تیورا گیا۔اسرار کو موقع مل گیا۔اس نے اپنا طاقتور ہاتھ بلند کر کے اتنے زور کا طمانچہ اس سیاہ فام آدمی کے منہ پر مارا کہ وہ چیخ اٹھا۔اس کی آواز سنتے ہی اس کے دوسرے ساتھی بھی اندر سے دوڑ پڑے۔ اسرار نے پستول نکال لیا۔

Akram Allahabadi

''خبر دار ذرا جو حرکت کی تو بھیجے کا بھرتہ بنا دوں گا۔'' انھوں نے ایک دوسرے کی رف دیکھا اور پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے کرنے کے بعد ان میں سے ایک اسرار کی طرف گھونسہ تان کر بڑھنے لگا۔ اسرار نے موقع کے نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے اس کے ایک پیر پر گولی چلا دی۔ وہ بڑی زور سے چیخ کر زمین پر گرا اور پیر تھام کر تڑپنے لگا۔ یہ دیکھ کر اس کے دوسرے ساتھی بھاگنے لگے۔

''ٹھہر جاؤ، ورنہ ایک ایک گولی تم سب کا خاتمہ کر دے گی۔'' اسرار نے انھیں زور سے ڈانٹا اور وہ سہم کر تھم گئے۔

''ادھر آؤ۔'' اسرار نے اس مکان کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ وہ ڈرتے ڈرتے قریب آئے۔

''تمہارا چوتھا ساتھی کہاں ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ...وہ...''

''جلدی بتاؤ، ورنہ۔'' اس نے پھر پستول کی طرف اشارہ کیا۔

''وہ اندر ہے۔''

''اس میں کیا ہے؟''

''ہم رہتے ہیں۔''

''دروازہ کھولو، مگر خبر دار جو ہمارے موجود ہونے کا اسے کوئی اشارہ کیا۔'' اسرار نے کہا۔

اس آدمی نے خاموشی سے اس دروازے کی زنجیر کھٹکھٹانی شروع کر دی۔ پہلی آواز پر اندر سے کوئی جواب نہ ملا، لیکن تھوڑی دیر بعد کسی نے دروازہ کھولا۔ ایک سیاہ فام آدمی پسینے میں ڈوبا ہوا سامنے کھڑا ہانپ رہا تھا۔ وہ اسرار اور ابراہیم کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ پھر اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔ اس نے اپنے لہجے میں نہ جانے کیا اپنے ساتھیوں سے

Akram Allahabadi

پوچھا، جس کے جواب میں وہ ہاتھوں سے صرف اشارہ کر کے رہ گئے۔

''اے باہر گھسیٹو، ابراہیم۔'' اسرار نے کہا۔ اور ابراہیم نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھامنا چاہا، جس پر اس آدمی نے اس زور سے ابراہیم کے سر پر ہاتھ رسید کیا کہ وہ زمین پر آ گرا۔ اسرار کو غصہ آ گیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے پستول تھام کر دوسرے ہاتھ کا ایک بھرپور گھونسہ اس جنگلی کی ناک پر اس بری طرح جمایا کہ وہ پیچھے دیوار سے جا ٹکرایا۔ اندر ایک اور بھی کھلا ہوا کمرہ تھا۔ جس میں شاید وہ لوگ رہتے تھے۔

''چلو تم سب لوگ ادھر چلو۔'' اسرار نے انھیں ڈانٹ کر حکم دیا۔ ابراہیم اب سنبھل چکا تھا۔

پستول کے سامنے خوفزدہ سے وہ اس کے اشارے پر اس کمرے میں گھس گئے۔ ان کا یہ عالم دیکھ کر وہ چوتھا سیاہ فام آدمی بھی ان کے پیچھے اندر چلا گیا اور اسرار نے باہر سے اس کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

اب وہ اس دوسرے کمرے کی طرف متوجہ ہوئے، جس کی کھڑکیاں چار دیواری کی طرف تھیں۔ اس کا دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ اسے کھولتے ہی ابراہیم نے جھجک کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اندر فرش پر ایک سفید سفید جسم والی خوبصورت لڑکی برہنہ پڑی ہوئی تھی۔ اس کی شرمگاہ سے خون رس رہا تھا اور اس کے سینے اور بازوؤں پر بڑے بڑے کھرونچے پڑے ہوئے تھے، جن سے خون نکل رہا تھا۔ وہ بے ہوش تھی۔

''درندے ہیں سالے۔'' ابراہیم نے انھیں گالی دی۔

''ارے مگر کہیں یہ ہرمز جی کی لڑکی تو نہیں ہے؟'' اسرار نے چونک کر کہا۔

''ممکن ہے، مگر خان صاحب ہی بتا سکتیں گے یہ۔'' ابراہیم بولا۔

''چلو جلدی سے انھیں خبر کر دیں۔''

مگر جیسے ہی وہ اس مکان کے دروازے سے باہر نکلے وہ چاروں سیاہ فام آدمی جو

اپنے کمرے کی پچھلی کھڑکیوں سے نکل آئے تھے،اور جن کیلیے اسرار کوگمان بھی نہ ہوا تھا،ان پر ٹوٹ پڑے۔وہ شاید دروازے کے پاس اسی لیے چھپے ہوئے تھے۔

اسرار اور ابراہیم ان سے گتھم گتھا ہو گئے۔ وہ کافی طاقتور اور ورزشی بدن رکھتے تھے۔اسرار نے موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ایک ہاتھ سے جیب سے وسل نکال کر زور سے بجانی شروع کر دی،ساتھی ہی وہ ان کے گھونسوں کا بھی جواب دیتا رہا۔

ان لوگوں کے بڑے بڑے ناخون سب سے بڑا خطرہ تھا،جس سے ابراہیم اور اسرار کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹ گئے۔جسموں پر خراشیں پڑ گئیں اوران سے خون پھوٹ پڑا۔

یہ لڑائی پانچ منٹ تک ہوتی رہی اوراب اسرار اور ابراہیم کی قوت مدافعت جواب دے رہی تی۔اس بات کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر خان بروقت نہ پہنچ گیا تو وہ لوگ انھیں مار ڈالیں گے،کیونکہ اس اچانک حملے میں اسرار کے ہاتھ سے پستول چھین کر پھینکا جا چکا تھا ار ابراہیم کو تو اتنا موقع ہی نہ ملا کہ وہ اپنا پستول نکال سکے۔

''ٹھہرو، بدمعاشو۔''اچانک دروازے کی طرف سے سپرنٹنڈنٹ خان کی آواز گونجی۔اس کے ہاتھ میں بھرا ہوا ریوالور تھا۔وہ سہم کر رک گئے۔البتہ ایک اب تک ابراہیم سے لپٹا ہوا تھا اور ابراہیم کا برا حال تھا۔

خان نے غصے میں آ کر ایک گھونسہ اس کے جبڑے پر مار دیا۔وہ ابراہیم کو چھوڑ کر اپنا جبڑا تھام کر چیخ اٹھا۔خان کا گھونسہ بہت خطرناک ہوا کرتا تھا۔

''باندھو ان حرامزادوں کو۔''خان نے ابراہیم اور اسرار کو حکم دیا۔

خان کی شخصیت تھی بھی اتنی رعبیلی کہ اس کے اس طرح سامنے آنے سے اچھے اچھے ماہر مجرم کانپ جایا کرتے تھے۔وہ سٹپٹائے سے رہ گئے اور اسرار نے جیب سے سفید سُتلی نکال کر انکی مشکیں کسنا شروع کر دیں۔

''کیابات تھی؟''خان نے اسرار سے پوچھا۔

''اندر چل کر دیکھ لیجیے۔''اسرار بولا۔

''انھیں یہیں پٹکواور ابراہیم،تم ریوالور ہاتھ میں لیکر ان کی حفاظت کرو۔''خان نے حکم دیا۔ابراہیم پستول ہاتھ میں لے کران کے سر پر کھڑا ہوگیا۔

''سالو،اب حرکت کی تو چیہ کوؤں کو تمہارا گوشت کھلا دوں گا۔''وہ ان میں سے ایک کو ٹھوکر مارتے ہوئے بڑبڑایا۔خان اور اسرار اس مکان میں داخل ہو گئے۔ جب وہ دس منٹ بعد باہر نکلے تو خان کا چہرہ بپھرا ہوا تھا۔

''ضرور کسی حرامزادے نے اسے ان درندوں کے حوالے کیا ہے کہ اسے اپنی ہوس کا شکار بنانے کے بعد اس کو اندھے کنویں میں ڈال دیں۔''خان نے کہا۔

''پھر کیا حکم ہے؟''

''اسے فوری طور سے اسپتال پہنچانا چاہیے۔''خان نے کہا۔''میں یہاں ٹھہرتا ہوں،تم لوگ اسے اٹھا کر گاڑی میں لے جاؤ۔''

اسرار اور ابراہیم کیلیے یہ کام ٹیڑھا ضرور تھا،مگر پولیس کی نوکری میں ناممکن کوئی لفظ نہیں۔وہ اندر سے زخمی اور بیہوش لڑکی کو اٹھا کر لے گئے۔

خان نے جاتے جاتے انھیں ہدایت کردی تھی کہ پہاڑیوں کے پیچھے والے قبرستان کے دراستے سے وہ جلد گاڑی لے کر یہاں پہنچیں اور خان خود ان بندھے ہوئے آدمیوں سے کچھ دور ایک درخت کے چبوترے پر بیٹھ کر سگریٹ پینے لگا۔وہ بڑے شش و پنج میں پڑ گیا تھا۔ یہ ایک فرقے کا مذہبی معاملہ تھا،اگر وہ ان چاروں کو گرفتار کر کے یہاں سے لے جاتا تو پھر قبرستان میں لائے جانے والے پارسی مردوں کا کریا کرم کون کرتا۔لیکن قانون کے مطابق ان مجرموں کی گرفتاری بھی فرض تھی۔

اور کوئی ہوتا تو شاید اس ویران مقام پر ان چار خوفناک وحشیوں کے درمیان اکیلا

ٹھہرتے ہوئے گھبراہٹ محسوس کرتا، لیکن خان ہر خطرے کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک فولاد کا آدمی ثابت ہوتا تھا۔ وہ بڑے بے فکری سے ٹہل ٹہل کر اس بھیانک روایات والے قبرستان کا جائزہ لیتا رہا۔

شہر سے ایک گھنٹے بعد پولیس آ گئی اور ان میں سے دو وحشیوں کو پولیس کے پہرے میں چھوڑ دیا گیا تا کہ اگر کوئی مردہ آجائے تو وہ اس کا کریا کرم کر سکیں۔ لڑکی کی عصمت دری کر کے باہر نکلنے والے سیاہ فام آدمی اور ایک دوسرے کو جو باقی دو سے زیادہ متعفن اور طاقتور معلوم ہوتا تھا، گاڑی میں پولیس ہیڈ کوارٹرز بھیج دیا گیا۔

''اسرار، آج رات میں اسی پہاڑی پر تمہاری ڈیوٹی لگانا چاہتا ہوں۔'' خان نے اس سے کہا۔

اور اسرار نیچے پارسی قبرستان کے کنوئیں میں پڑے ہوئے مردوں کے ڈھانچوں کی روحوں کے تصور سے کانپ گیا۔

''یعنی میں اکیلا؟'' اسرار نے خشک گلے سے پوچھا۔

''خیر، تم اور ابراہیم رہ جاؤ، میں رؤف کو بھیج دوں گا۔'' خان نے اپنی کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

چنانچہ اسرار اور ابراہیم وہیں رہ گئے اور خان پولیس کی گاڑیوں کی روانگی کے بعد اپنی کار میں شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

وہ لڑکی پروین ہی تھی جسے خود اس کی ماں اور بہنوں نے شناخت کر لیا۔

لیکن اسپتال میں اسے چھ گھنٹوں تک ہوش نہ آیا، ویسے ڈاکٹر نے کہہ دیا تھا کہ اسے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

Akram Allahabadi

شام کو ۷ بجے جب اسے ہوش آیا تو متوحش نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔شاید وہ پھر چیخیں مارنے لگتی، کیونکہ سامنے کی طرف اسپتال کا سیاہ فام نرسنگ اردلی کھڑا تھا،لیکن سپرنٹنڈنٹ خان نے فوراً ہی اسے اپنی طرف متوجہ کرلیا،اسے ایک دم اس کی ماں اور بہنوں کے سامنے کیا گیا۔

''ڈرو نہیں، یہاں تمہیں کوئی خطرہ نہیں،تم اسپتال میں ہو۔''خان نے کہا۔

''وہ کالے بھوت؟''لڑکی کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''پولیس نے انھیں گرفتار کرلیا ہے۔''خان نے بتایا۔جس پر کچھ دیر تک چھت کو گھورتے رہنے کے بعد اس نے ایک لمبی سی ٹھنڈی سانس لی۔اس کے آنسو نکل پڑے۔

''گزری باتوں کا افسوس کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔انھیں کڑی سزائیں دی جائیں گی۔''خان اس کے سرہانے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔''لیکن تم وہاں پہنچیں کیسے؟''

''میں... مجھے خود نہیں معلوم۔میں رات کو سو رہی تھی کہ گھر میں آگ لگ گئی۔اس وقت پیچھے سے نہ جانے کس کا ہاتھ نکلا اور اس نے میرا منہ بند کرلیا۔پھر مجھے معلوم نہیں کیا ہوا، کیونکہ مجھے ہوش نہیں رہا تھا۔میری جب آنکھ کھلی تو میں ایک عجیب سے آدمی کے سامنے تھی۔وہ سر سے پیر تک کالے ربڑ کا لباس پہنے ہوئے تھا۔اس کا سر اور چہرہ بھی اسی میں بند تھا،صرف اس کی آنکھیں میں نے دیکھی ہیں جو زرد اور چمکیلی تھیں۔''وہ کہتے کہتے رک گئی۔

''ہاں ہاں، کہے جاؤ۔''خان نوٹ بک میں نوٹ کرتے ہوئے بولا۔

''اس نے مجھے ٹٹول کر دیکھا اور پھر اپنے ایک آدمی کو اشارہ کردیا، جس نے مجھے ایک اچھے کمرے میں لے جا کر بند کردیا۔

یہاں دو روز تک پوری رات وہ آدمی میرے پاس سوتا رہا۔وہ اپنا ربڑ کا لباس اتار دیتا تھا۔میں اس کا چہرہ صرف ایک بار دیکھ سکی، کیونکہ اس پر ایک سفید نقاب سا کسا رہتا تھا، صرف اس کی آنکھیں، آدھی ناک اور ہونٹ کھلے رہتے تھے۔وہ جنسی طور پر وحشی قسم کا آدمی

تھا۔دوسرے دن جب میں پریشان ہوکراس کے بال نوچنے لگی تھی،اس کے چہرے سے اتفاق سے وہ نقاب گر پڑااوراسی دن کی صبح اس نے ایک موٹے سے آدمی کو بلا کر حکم دیا کہ وہ مجھے ان درندوں کے حوالے کر کے انھیں جتادے کہ میں وہاں سے زندہ بچ کر نہ نکلنے پاؤں۔'' یہ کہتے کہتے وہ سسکیاں لینے لگی۔

''غم نہ کرو،اب اس کا رونا بے کار ہے۔ہاں تو پھر؟'' خان اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔

''پھر مجھے بندسی گاڑی میں اندر بٹھا کر اس جگہ لایا گیا اوران...ان درندوں کے حوالے کر دیا گیا۔''

''تب سے وہ حرامزادے...'' یہ کہتے ہوئے اس کے ہونٹ کانپنے لگےاور آنسو پھر پھوٹ پڑے۔

''خیر،اب تم اپنا دل مضبوط کرواور سب کچھ بھول جاؤ۔''

''بھول جاؤں؟ میری زندگی ناس ہوگئی، میں کیسے بھول جاؤں کہ اب میں کسی قابل نہیں رہ گئی۔مجھ سے دنیا کا کوئی مرد پیار نہیں کرے گا۔میں بدنصیب لڑکی۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر بلبلا کر رو پڑی۔

''اس وقت انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیجیے، سمجھانے کا اثر الٹا ہوگا۔ان پر ان واقعات کا گہرا نفسیاتی اثر پڑا ہے۔'' پیچھے آ کر ڈاکٹر نے خان کے کان میں کہا۔

''بہتر ہے،لیکن ابھی مجھے اس لڑکی کی ضرورت پڑے گی۔'' خان نے جواب دیا۔

''شاید کل تک کچھ اور بہتر ہو جائے گی اس کی کیفیت، تب آپ اس سے سوال کر سکتے ہیں۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔

''میرے خیال میں انھیں اب ان کی ماں اور بہنوں سے ملنے دیا جائے تو شاید جلدی طبیعت روبہ سکون ہو جائے۔'' پاس کھڑی ہوئی سسٹر نے مشورہ دیا۔

Akram Allahabadi

''ہاں ٹھیک ہے۔''ڈاکٹر نے کہا۔

اور پھر وہ اور خان دونوں آہستہ قدم رکھتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

ان کے جانے کے بعد پروین کی ماں اور بہنوں کو اندر آنے کی اجازت دے دی گئی۔ ماں بیٹی کو دیکھتے ہی لپٹ گئی اور دونوں بہنیں آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑی دیکھتی رہیں۔ یہ بڑا رقت انگیز منظر تھا۔

''کچھ سمجھ میں آیا آپ کی؟''

''یہ تو محض اغوا کا کیس معلوم ہوتا ہے، البتہ اس نے لڑکی کو ان درندوں کے حوالے کر دیا، اس سے معاملہ ذرا سنگین ہو گیا ہے۔''

''کیا اس کیس کو کسی طریقے سے اس سرخ دائرے کی وارداتوں سے منسلک کیا جا سکتا ہے؟''

''بظاہر تو کوئی تو کوئی وجہ نہیں، البتہ ہرمز جی کی بلڈنگ میں آگ لگنے کی واردات پر شبہ پیدا کر سکتی ہے۔''

''ان سیاہ فام آدمیوں نے کیا بیان دیا؟''

''وہ صرف اتنا بتاتے ہیں ایک آدمی اس لڑکی کو ان کے سپرد اس شرط پر کر گیا تھا کہ وہ اس سے جی بھر جانے کے بعد اسے اس مردوں کے کنوئیں میں ڈال دیں گے، جہاں سے اس کا سراغ لگنا ہی ناممکن ہے۔''

''بیچاری کو محض اس بدمعاش کا چہرہ دیکھ لینے کی اتنی کڑی سزا ملی۔ اتنی حسین لڑکی کبھی میرا منہ دیکھے تو میں...'' بالے نے کہنا چاہا۔

''چونچ بند رکھو اپنی۔''

''چونچ؟'' بالے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

''میں تم سے کہہ رہا ہوں۔''

Akram Allahabadi

''اوہ، ویری ویل، سر۔ میں نے اپنی چونچ بند کر کے رکھ دی، مگر آپ بھی کیا یاد کریں گے کہ بالے نے ایک کام کی بات کی تھی۔''

''اب سوال یہ ہے کہ اسے کہاں لے جایا گیا تھا۔ وہ شخص کون تھا اور کون لوگ اسے لے گئے تھے۔'' خان بڑبڑانے لگا۔

''اور جواب یہ ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ رہا ہوگا، اچھی لگی ہوگی تو اپنے گھر اٹھا لے گیا ہوگا۔'' بالے پھر بے غیرتی سے بول پڑا۔

''معلوم ہوتا ہے اب تمہاری شامت آ رہی ہے۔''

''میں چپ ہوں۔'' بالے نے ایک ہاتھ سے اپنا منہ بند کر لیا اور اسرار اسے موٹی موٹی آنکھوں سے گھورنے لگا۔

''ابے شریف آدمی تمہاری کون سی جاگیر ماری ہے میں نے؟'' بالے نے بڑی سنجیدگی سے اسرار سے کہا۔

''آج رات انھیں بھی بھیجے نا پہاڑی ۳۷ پر۔'' اسرار نے خان سے کہا۔

''کل کی رات آپ نے کونسا تیر مار لیا ہے وہاں جو آج میں جاؤں۔'' بالے نے جل کر کہا۔

''تم پھر لڑ پڑے۔'' خان نے انھیں ڈانٹا۔

''میں چپ ہوں۔'' بالے نے یہ کہہ کر پھر منہ لٹکا لیا اور خان مسکرا دیا۔

''لڑکی نے اس کا حلیہ تو بیان کیا ہوگا نا؟'' ڈیسوزا نے، جو اب تک خاموش بیٹھا خیالی گھوڑے دوڑا رہا تھا، بیچ میں ٹپک کر پوچھا۔

''ہُم۔'' خان نے محویت کے عالم میں کہا۔ ''لیکن اس سے معاملات اور پیچیدہ ہو گئے ہیں۔''

''یعنی اس کا حلیہ بھی پیچیدہ ہے؟'' بالے نے تبصرہ کیا۔

Akram Allahabadi

''اس کا حلیہ...بالکل مقتول فیروز جیسا تھا۔''

''ناممکن، وہ غریب تو کب کا مر چکا ہے۔اس کی لاش کا تو پوسٹ مارٹم بھی ہوا تھا۔''

''یہی تو باعثِ حیرت ہے اور خود پروین بھی اتنی مصیبت اٹھانے کے باوجود سب سے زیادہ اسی احساس سے خوفزدہ ہے۔''

''مگر اس نے پہلے تو یہ بات نہیں بتائی تھی نا آپ کو؟''

''وہ سمجھتی تھی کہ کوئی اس پر یقین نہ کرے گا اور اسے یہ بھی احتمال تھا کہ ممکن ہے کہ کوئی فیروز سے ملتی جلتی شکل والا آدمی ہو۔''

''جب یہ بھی ممکن ہے، وہ بھی ممکن ہے تو ناممکن کیا ہے؟'' بالے پھر بیچ میں بولا۔

''تم اپنی بکواس بند رکھو، ورنہ کمرے سے باہر نکال دوں گا۔'' خان نے اسے ڈانٹا۔

''گریٹ انسلٹ۔'' اسرار چپکے سے بولا۔

''ابے او اخروٹ، وہ میرے باپ کی جگہ ہیں، کہہ لینے دیجیے۔'' بالے خان کی طرف دیکھے بغیر اسرار پر برس پڑا۔اور خان اس جملے پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

''مگر پھر اس طرح تو کوئی بات نہ ہوئی۔'' ڈیسوزا بولا۔

''ایک اس سے بھی زیادہ حیرتناک بات ہے...''

''میں نے اپنی ناک تھام لی ہے، آپ شوق سے فرمایے، مجھے حیرت نہ ہوگی۔''

''اف...فوہ...مردود۔'' خان نے میز پر سے سگریٹ کا ڈبہ اٹھا کر اس پر کھینچ مارا۔ آج وہ کمبخت بھی خاموش نہ بیٹھنے کے موڈ میں تھا، ایسے وقت اس کی زبان قینچی کی طرح چلا کرتی تھی۔اس نے کسی اچھے کرکٹر کی طرح سگریٹ کا ڈبہ ہاتھوں میں جھیل لیا۔

''تھینک یو ویری مچ، مائی باس۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اس میں سے ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں سے لگائی اور قبل اس کے کہ خان اپنی جگہ سے اٹھے، وہ جلدی سے باہر نکل آیا۔

Akram Allahabadi

''بعض وقت تو بچوں جیسی حرکتیں کرنے لگتا ہے یہ۔''ڈیسوزا نے منہ بنا کر کہا۔

''اے جناب، آپ کو شاید مغالطہ ہوا ہے۔میرے بیوی بچے بھی ہیں۔''بالے نے پھر دروازے سے اندر جھانک کر کہا۔

''ارے کمبخت تو تم یہیں موجود ہو ابھی۔''خان نے بگڑنے والے موڈ میں کہا۔

''میں یہاں چھپ کر سراغرسانی کر رہا ہوں۔''بالے نے بے غیرتی سے جواب دیا۔اور سب ہنس پڑے۔

''جی تو وہ بات؟''ڈیسوزا نے ادھوری رہ گئی بات کی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں۔وہ کہتی ہے کہ جس جگہ وہ لے جائی گئی تھی، وہ مقام آسمان پر تھا اور نیچے بادل تیر رہے تھے۔''

خان کے اس جملے پر سب سوچ میں پڑ گئے۔

''یہ تو واقعی عجیب بات ہے، ممکن ہے اس لڑکی کے ذہن پر کوئی وہم مسلط ہو گیا ہو۔'' ڈیسوزا نے رائے دی۔

''قطعی نہیں، وہ بالکل صحیح الدماغ ہے اور یہ بتانے سے پہلے اس نے کہہ دیا تھا کہ آپ لوگ یقین نہ کریں گے۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے فیروز کی بدروح اٹھا لے گئی تھی آسمان پر۔''اسرار نے حیرت سے پوچھا۔

''خدا جانے مطلب کیا ہے، لیکن باتیں عجیب ضرور ہیں۔''

''اب آپ ضرور اس کے تعاقب میں آسمان پر جانے کا ارادہ فرمائیں گے۔'' بالے کی آواز پھر دروازے کی طرف سے آئی۔

''آج اس کی موت ہے میرے ہاتھ سے۔''خان اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں پولیس کمشنر کو فون کرنے جا رہا ہوں کہ آپ مجھے قتل کر رہے ہیں۔'' کہتے

ہوئے لوہ دروازہ بند کر کے کھسک گیا ۔اور خان دروازے کی چٹکنی اندر سے چڑھا کر آ بیٹھا۔

''پھر اب؟''ڈیسوزا نے پوچھا۔

''سر دست ہمیں سب سے پہلے اس آتشیں شعاع کا راز معلوم کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے سب سے بڑا خطرہ ہے۔''

''میرے خیال میں تو کسی سائنسداں کا پاگل پن ہے، کیونکہ آج کل ہندوستان میں سائنسی تحقیق اور ایجادوں کا نیا نیا بخار پھیلا ہے۔''ڈیسوزا نے کہا۔

''عام طور پر لوگ اسے کوئی آسیب یا جادو ہی قرار دے رہے ہیں۔ بڑی جہالت پائی جاتی ہے ابھی ہمارے ملک میں۔''خان نے اظہارِ افسوس کیا۔

''اس کا سراغ کس طرح لگایا جا سکے گا۔''

''ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا، مگر اسرار، تمہیں ابھی دو چار راتیں اور دو تین آدمیوں کے ساتھ پہاڑی ۳۷ پر جانا پڑے گا، اس بلا کا کوئی وقت یا دن تو مقرر نہیں ہے، پتہ نہیں کب آجائے۔''خان نے کہا۔

''جیسی آپ کی مرضی۔''اسرار نے گلوگیر آواز میں جواب دیا۔ وہ سب سے زیادہ اس پارسیوں کے قبرستان کے راتوں کے دہشت انگیز سناٹے سے خوفزدہ تھا، کیونکہ اس کے خیال میں وہاں تمام مردوں کی روحیں ایک ہی کنوئیں میں رہتی ہیں اور اس وقت مقتول فیروز کے ذکر اور اس آسمانی مقام کے تذکرے نے اسے اور زیادہ متاثر کر دیا۔ وہ آسیبیت اور بھوتوں کا قائل تو نہ تھا، لیکن روحوں کے وجود کو مانتا تھا اور توہم پرستی اسے اپنے خاندانی ماحول سے بھی ورثے میں ملی تھی۔ اندر ہی اندر پہاڑی ۳۷ پر جانے کیلیے اس کا دل ہچکچایا، لیکن وہ اس ہچکچاہٹ کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔

ان کی یہ نشست تھوڑی دیر بعد برخاست ہو گئی۔ ڈیسوزا تو خان کی ہدایت پر آفس چلا گیا اور اسرار کو خان نے دوسرے کام سے بھیج دیا۔ وہ اس وقت تخلیے میں بیٹھ کر کچھ سوچنا

Akram Allahabadi

چاہتا تھا،لیکن ابھی بمشکل دومنٹ گزرے ہوں گے کہ بالے نے زورزور سے دروازہ بھڑبھڑانا شروع کردیا۔

''یہ کیابیہودگی ہے؟''خان نے ڈانٹا۔

''کھولیے، ورنہ پچھتایے گا۔''بالے کی آواز آئی۔

''بالے، میں تمہاری مرمت کردوں گا۔''

''آپ کی دعا سے میرا کچھ ٹوٹا نہیں ہے،البتہ کسی کا فون...''

''کہہ دو میں گھر پر نہیں ہوں۔''

''پچھتایے گا،وہ بڑا نرم و نازک فون ہے۔''

''سور۔''خان نے جھنجلا کر دروازہ کھول دیا اور گھونسہ تان کر بالے پر دوڑا۔

''ارے سنیے تو۔وہ نرگس فون ہے۔''

''ہشت۔''

بالے پولیس کمشنر کی قسم کھاتا ہے۔

خان کی جھنجلاہٹ آپ سے آپ فرو ہوگئی، جب اس نے کمرے میں تپائی پر رکھا ہوا فون کا رسیور اٹھالیا۔

''ہیلو..اوہ،تم۔''وہ مسکرا کر بولا۔

''اہاہاہا...کیا بتیسی نکل رہی ہے۔ابھی ایک بے گناہ کو مارنے دوڑ رہے تھے۔''

بالے اپنی جگہ کھڑے کڑے بولا۔

''اوالّو۔''خان سے ڈانٹے بغیر نہ رہا گیا۔

''الّو...؟''فون پر آواز آئی۔

''ارے بھئی تم نہیں، یہ ہے سور بالے۔آج اس نے میرا ناک میں دم کر رکھا ہے۔''خان نے ہنس کر کہا۔

''بھلا تمہیں کیسے کہہ سکتا ہوں۔'' وہ پیار بھرے لہجے میں بولا۔

''سپرنٹنڈنٹ صاحب ریشہ خطمی ہو گئے۔'' بالے نے تبصرہ کیا۔ اور خان نے جھنجلا کر تپائی کے سرے پر رکھی ہوئی ایش ٹرے دوسرے ہاتھ سے بالے پر کھینچ ماری۔ وہ بجھی ہوئی سگریٹوں کے ٹکڑے اور راکھ بالے کے سر کے بالوں اور چہرے پر بکھر گئی۔ وہ تھوتھو کرتا ہوا غسلخانے کی طرف بھاگا۔ اور خان قہقہہ لگاتا رہ گیا۔

''کیوں ہنس رہے ہیں آپ؟' دوسری طرف نرم اور لچک دار آواز سنائی دی۔

''اسے اس کی سزا مل گئی ہے۔'' خان نے کہا۔

''تو پھر آپ آ رہے ہیں نا آج؟''

''آج...؟ اچھا... مگر صرف تھوڑی دیر کیلیے، کیونکہ آج کل بڑے اہم کیس سر پر آپڑے ہیں۔'' خان نے کہا۔

''میں انتظار کروں گی۔''

''اچھا میں آتا ہوں، ٹاٹا۔'' یہ کہہ کر خان نے رسیور رکھ دیا اور خلافِ معمول، ''پیا گھر آجا...'' کا ایک پرانا سا گیت گنگناتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

خوفناک رات

آسمان پر چھائے ہوئے بادلوں کی گرج کے ساتھ تاریکی اور گہری ہوتی جا رہی تھی اور ہواؤں کی سنسناہٹ نے اس ویران مقام کو اور زیادہ بھیانک بنا دیا تھا، لیکن پولیس کی نوکری، وقت پڑے تو موت کے منہ میں بھی جانا پڑتا ہے۔ وہ چاروں اس چھوٹے سے خیمے میں سہمے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اسرار تو رؤف، ابراہیم اور رام ناتھ کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی رات کے اس بھیانک پن سے زیادہ، وہ نیچے کے پارسیوں کے قبرستان والے مردوں کے کنوئیں کے تصور سے متاثر تھا۔

''ایسی بھیانک رات میں ان مردوں کی روحیں ضرور اس اندھے کنوئیں سے نکلتی ہس گی۔'' اسرار نے ہنستے ہنستے رؤف سے کہا۔

''تم بھی بس بچے ہو، اسرار بھائی۔ اب روحوں کا ہی وہم لے بیٹھا۔''

''اس دن میں نے اپنی آنکھوں سے اس کنوئیں پر مُردوں کو چیل کوؤں سے نچتے دیکھا ہے۔ میں وہ منظر کبھی نہیں بھول سکتا، اف۔'' اسرار کو جھرجھری سی آ گئی۔

''ایسے مردوں کی روحیں تو بد روحیں ہی ہوتی ہوں گی۔'' وہ آپ سے آپ بڑبڑایا۔

''ہوتی ہوں گی تو ہمیں کیا۔'' ابراہیم نے دونوں ہتھیلیوں میں لائٹر کی روشنی چھپا کر سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا۔

ٹھیک اسی وقت ایک عجیب سی منحنی آواز ہوا کے دوش پر لہراتی ہوئی ان کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ چونک کر ادھر متوجہ ہو گئے۔ تاریکی اتنی گہری تھی کہ چند قدم کی چیز بھی نظر نہ آتی تھی۔

Akram Allahabadi

''سنا ہے جس پر سے وہ سرخ دائرہ گزر جاتا ہے، وہ خلاص۔'' رؤف نے اسرار سے پوچھا۔

''اب کی بار موت سے پالا پڑا ہے اپنا، اللہ ہی مالک ہے۔'' اسرار نے جواب دیا۔

''اپنی عمر میں تو ایسی عجیب عجیب وارداتیں کبھی سننے میں بھی نہیں آئیں۔'' رؤف بڑبڑایا۔

''اب تو دنیا ہی عجیب ہوگئی ہے۔'' ابراہیم نے لمبی سی ٹھنڈی سانس بھری۔

اچانک ان کا خیمہ ایک بار زور سے ہلنے لگا۔

''ارے، یہ کیا ہو رہا ہے؟'' رؤف نے حیرت سے کہا۔

''میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ یار، یہ جگہ خطرے سے خالی نہیں ہے۔'' اسرار بھی چونک کر بولا۔ پھر اچانک انھیں ایسا محسوس ہوا جیسے وہ جگہ نیچے کی طرف بیٹھ رہی ہو۔

''ارے بھاگو، اِدھر سے۔'' رؤف سب سے پہلے خیمے سے نکل کر بھاگا۔ پیچھے اسرار، رامناتھ اور ابراہیم تھے۔ رام ناتھ خوفزدہ سے انداز میں اب تک گم سم بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا، تھر تھر کانپنے لگا۔ اس کی زندگی میں کبھی ایسا موقع اور ایسی خوفناک رات نہ آئی تھی، جب اس طرح آبادی سے دور اس ویران اور دہشت زدہ مقام پر اس طرح وقت گزارنا پڑے۔ زمین کے دبنے کے ساتھ انھیں ایک عجیب سی 'شوں' کی آواز سنائی دینے لگی، جو دیر تک کھینچتی چلی گئی۔ گھبرا کر انھوں نے چاروں طرف اپنی ٹارچوں کی روشنی ڈالنی شروع کردی، مگر انھیں کچھ نظر نہ آیا۔ وہ بھیانک آواز اب بھی آرہی تھی۔ رام ناتھ سے نہ بھاگا جا سکا۔ وہ زمین پر اوندھے منہ گر پڑا۔ اور اسرار اور رؤف اور ابراہیم صرف اس کی ایک دردناک چیخ سن سکے۔ وہ جگہ اندر کی طرف بیٹھ گئی تھی۔ اور رام ناتھ، اس کا پتہ نہ تھا۔ انھوں نے ٹارچ کی روشنی میں اسے چاروں طرف ڈھونڈ ڈالا، آوازیں دی، لیکن رام ناتھ نہ ملا۔

''یہ کیا غضب ہوگیا۔'' رؤف نے خوف وغم سے متاثر لہجے میں کہا۔

Akram Allahabadi

''تقریباً ۲۵ منٹ تک یہی عالم ادر رہا۔ وہشوں کی آواز بدستور نکلتی رہی، لیکن کوئی اور واقعہ رونما نہ ہوا۔ وہ حیران وخوفزدہ سے ٹیلے کے ڈھلوان پر کھڑے اس منظر کو دیکھتے رہے، لیکن ٹھیک اسی وقت ابراہیم آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر چیخ اٹھا۔

''وہ آتشی دائرہ۔'' اس کی آواز حلق میں پھنس گئی اور وہ سب حیرت سے اس طرف دیکھنے لگے۔ دور شمال کی طرف آسمان پر اڑتا ہوا وہ آتشی دائرہ اسی پہاڑی کی طرف آرہا تھا۔ ان کے دل کانپنے لگے۔

''زمین پر لیٹ جاؤ جلدی سے۔'' اسرار نے حواس پر قابو رکھتے ہوئے انھیں ہدایت کی۔ اور وہ زمین پر اوندھے گر پڑے۔ اس پراسرار سرخ آتشی دائرے سے ایک باریک سی سیٹی جیسی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ بڑی تیز رفتار سے اس طرف آرہا تھا۔

''جل تو جلال تو، جل تو جلا تو۔'' رؤف بڑبڑانے لگا۔

اور جیسے ہی دائرہ آسمان پر پرواز کرتا ہوا اس ٹیلے پر سے گزرا، وہ بُری طرح خوفزدہ ہوکر زمین کی چھاتی سے لپٹ گئے۔

مگر وہ گزر گیا۔ اس کا رخ شہر کی طرف تھا۔

''آج پھر کسی کی شامت آئی ہے۔'' اسرار بڑبڑایا۔

''شامت یا موت۔'' رؤف بولا۔

''چلو، نیچے چلیں، ورنہ کوئی اور مصیبت نہ آئے۔'' اسرار نے ڈھلوان کی طرف نارچ ڈال کر اترتے ہوئے کہا۔

ابراہیم چپ چاپ تھا۔ اس کی سمجھ میں بھی نہیں آرہا تھا کہ کیا ہورہا ہے اور کیسے ہورہا ہے؟ ج وہ بری طرح اس مقام کے آسیبی اثرات سے ڈرا ہوا تھا۔ پہلے وہ اسی قسم کی روایتوں کا مذاق اڑایا کرتا تھا، لیکن آج وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

''اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' ابراہیم نے سہمے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

Akram Allahabadi

''دیکھ کر، گر نہ پڑنا۔''اسرار نے رؤف کو بازوؤں سے سنبھال لیا، ورنہ اس کا پیر ٹیلے میں پیدا ہونے والے ایک شگاف میں چلا گیا ہوتا۔ یہ شگاف اس سے پہلے اس جگہ نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے یہاں کی زمین بیٹھ گئی ہو اور ابھی وہ سنبھل کر اتر ہی رہے تھے کہ ٹیلے میں کئی جگہ شگاف پیدا ہو گئے۔

''جلدی بھاگو۔''اسرار چیخا۔

مگر بھاگتے بھاگتے بھی ابراہیم کا پیر ایک جگہ نیچے دھنسی ہوئی زمین میں پھنس گیا۔

''اسرار بھائی۔''وہ گلا پھاڑ کر چیخا۔اسرار فوراً پلٹ پڑا۔اس نے ابراہیم کو بازوؤں سے تھام کر جھٹکے سے باہر کھینچ لیا۔اور اگر وہ تھوڑی دیر کر دیتا تو شاید ابراہیم کا حشر بھی رام ناتھ جیسا ہوا ہوتا۔

''اب تو اللہ کا نام لے کر نیچے کود پڑو۔''اسرار نے ساتھیوں کو مشورہ دیا، اور وہ اس اندھیرے میں جان پر کھیلتے ہوئے ڈھلوان سے نیچے کود پڑے۔

لڑھکتے ہوئے نیچے آنے پر ان کی کہنیاں اور گھٹنے چھل گئے۔رؤف کی بڑی بڑی مونچھیں بھی ایک مصیبت تھیں، سر پر تو خیر ٹوپی تھی، لیکن جس وقت ایک خاردار جھاڑی کے پاس سے لڑھکتے ہوئے اس کے کانٹوں میں رف کی ایک مونچھ الجھی تو وہ درد سے چیخ اٹھا۔چند بال ان کانٹوں کی نظر ہو گئے اور ان کی جڑوں سے خون رسنے لگا۔

ابراہیم کے حواس تو اب تک بجا تھے، لیکن نیچے آنے کے بعد انھیں محسوس ہوا کہ یہاں کی زمین قطعی پرسکون ہے۔

''اسرار بھائی، اس دہشت کی جگہ سے تو نکل ہی چلیے، خدا جانے آگے کیا ہو جائے۔''

''یہ سب ان بدروحوں کی حرکتیں معلوم ہوتی ہیں۔''رؤف نے اکھڑی ہوئی مونچھ سے رسنے والا خون رومال سے پونچھتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''اور پتہ نہیں اس سرخ دائرے نے کہاں قیامت نازل کی ہو۔'' اسرار نے لنگڑاتے ہوئے ناہموار زمین پر اسی جھاڑی کی طرف چلتے ہوئے کہا، جہاں انھوں نے اپنی جیپ کار چھپائی تھی۔

''جلدی نکل چلیے، اسرار بھائی، کہیں پھر کوئی آفت نہ آجائے۔'' ابراہیم نے گھبراتے ہوئے رفتار اور تیز کرتے ہوئے کہا۔

''چل تو رہا ہوں، اور کیسے چلوں۔ آتی ہے آفت تو آئے۔'' اسرار جھنجلا گیا اور پھر ان کی جیپ کار ناہموار زمین کو عبور کرنے کے بعد شہر کی طرف جانے والی بڑی سڑک سے جا ملنے والی چوڑی پگڈنڈی پر دوڑنے لگی۔

جس وقت وہ شہر میں داخل ہوئے تو ایک اندھیر سا مچا تھا۔ لوگ گھروں سے نکل کر سڑکوں کے کنارے کھڑے آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے اور سڑک پر پولیس کی گاڑیاں دوڑ رہی تھیں۔ بعض علاقوں میں لاؤڈ اسپیکر نصب تھے اور ان کے ذریعے پبلک کو سمجھایا جا رہا تھا کہ وہ اپنے گھروں میں واپس جائیں، گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ پولیس خود گھبرائی ہوئی تھی۔ یہ آسمانی آفت ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہ آئی تھی، اس لیے کہ وہ آواز کی سی تیزی سے ایک بارسیٹی جیسی گونج پھیلاتی ہوئی آسمان پر گزر جاتی اور نہ تو کوئی نظر جما کر دیکھ پاتا، نہ ہی کوئی اس کا تعاقب کر سکتا تھا۔ اور سوائے اس کے کہ اسے شمال سے جنوب کی سمت جاتے دیکھا گیا تھا، کوئی یہ بھی نہ جان سکتا تھا کہ اس کا شکار اب کون ہوگا۔ شہر میں پہلے ہی سے یہ افواہیں پھیل رہی تھیں کہ آسمان پر شیطان اڑتا ہوا دیکھا گیا ہے، لیکن شیطان کیا گول گول ہو سکتا ہے؟ یہ سوچتے ہوئے کہنے والے ذرا ہچکچاتے تھے۔

ٹیلیفون کالوں نے پولیس افسروں کا طقہ بند کر رکھا تھا۔

''ضرور کوئی بڑا معاملہ ہوگیا ہے۔'' اسرار نے رؤف سے کہا۔ رؤف ابھی تک رومال سے اکھڑی ہوئی مونچھ دبائے چپ چاپ بیٹھا تھا۔

Akram Allahabadi

''بیسویں صدی ہے، بھیا، بیسویں صدی۔ جو نہ ہو جائے کم ہے۔ ہمارے تو باپ دادا نے کبھی ایسے خواب نہ دیکھے ہوں گے۔'' وہ ان پراسرار حالات کی تمام ذمے داری بیسویں صدی پر ڈالتے ہوئے بولا۔

''گاڑی یہیں روک کر پوچھ لیجیے نا۔'' ابراہیم نے مشورہ دیا۔ اور اسرار نے سڑک کے کنارے پولیس کے ایک اناؤنسمنٹ ٹرک کے نزدیک گاڑی روک لی۔ اس ٹرک میں پرل اسٹریٹ کا سب انسپکٹر شانتی لال موجود تھا۔ وہ اس حلیے میں ان تینوں کو دیکھ کر حیران سا ہو گیا۔

''کیا کسی سے جھگڑا ہو گیا، یا بدمعاشوں نے حملہ کر دیا تھا؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں، یہ لمبا قصہ ہے، مگر یہ تو بتایے یہ شہر میں اودھم کیسا مچا ہے؟'' اسرار نے پوچھا۔

''ہم لوگ ایک سرکاری کام سے شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔''

''تو جا کر دیکھ لو سواتی سنیما، سیلولائیڈ کے ماڈل کی طرح جل رہا ہے اور اگر تم وہ دھماکے سنتے جو بیتال کے گودام میں ہوئے ہیں اور جن سے سارا شہر چونک پڑا ہے، تو شاید تم سمجھتے کہ شہر پر بم برس رہے ہیں۔'' سب انسپکٹر شانتی نے بتایا۔

''مگر یہ سب کچھ ہوا کیسے؟'' رؤف نے سوال کیا۔

''یہ تو کسی کو نہیں معلوم، صرف گودام کے ایک چوکیدار کا بیان ہے کہ اس نے آسمان پر کوئی سرخ سی روشنی اڑتی ہوئی دیکھی تھی اور اس کے بعد اچانک گودام کے اس حصے میں دھماکے ہونے لگے، جن میں آرسنل کیلیے آئے ہوئے بارود کے ڈرم رکھے تھے۔'' سب انسپکٹر نے بتایا۔

''بارود کے ڈرم؟'' اسرار نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں، وہ آرسنل کے تھے۔''

''مگر یہ آگ لگی کیسے ہے؟''

Akram Allahabadi

''یہ کسی کو معلوم نہیں، البتہ بعض لوگوں نے اسی نامعلوم سرخ دائرے کو ان گوداموں پر سے گزرتے دیکھا ہے۔''

''آدمی بھی مرے ہیں؟''

''صرف دو مزدور، جو گوداموں کے باہر سو رہے تھے، مرے ہیں اور اوپر سے گزرنے والے تین آدمی زخمی ہوئے ہیں۔''

''خاں صاحب اس وقت کہاں ملیں گے؟''

''انھیں تو ابھی تک میں نے نہیں دیکھا ہے، نہ جانے کہاں ہیں۔''

''خیر، ہم خود ڈھونڈ لیتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اسرار نے گاڑی آگے بڑھادی۔ راستے میں میورا سپتال پڑتا تھا، وہیں کھڑے کھڑے ان لوگوں نے اپنی خراشوں اور زخموں کی مرہم پٹی کرائی اور پھر خان کی تلاش میں نکل پڑے۔

بیتال گودی کے گوداموں سے تھوڑے تھوڑے وقفے سے اب بھی دھماکے ہو رہے تھے اور ہزاروں آدمی گوداموں کے باہر کی سڑک پر یہ تماشہ دیکھنے جمع ہو گئے تھے۔ آگ بجھانے والا عملہ اپنی کوششوں میں مصروف تھا اور سپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر بھائی جی حادثے کی وجوہ کی تحقیقات میں لگے تھے۔ البتہ صرف سپرنٹنڈنٹ خان کا پتہ نہ تھا۔ سنیما کی عمارت بمعہ نشستوں کے آگ کے نذر ہو چکی تھی۔

اس ۔۔۔ میں ایک ہی ہفتے میں یہ دوسری بار آتشزدگی کی اتنی خوفناک وارداتیں ہوئی تھیں۔ سنیما کا تمامتر جل جانا کچھ اتنا تعجب خیز بھی نہ تھا، اس لیے کہ دیواروں پر روغنی رنگ، چھت میں پلائی ووڈ کے ٹکڑے تھے اور نشستیں بھی لکڑی اور لوہے کی بنی تھیں۔ آگ چھت کی طرف سے ہی لگی تھی اور سب سے پہلے اس نے پھیل کر پروجیکشن روم کو پکڑا تھا، جہاں مشین، فلمیں اور کاربن رکھتے تھے۔ فلموں نے پٹرول کی طرح آگ پکڑ لی اور ایک آپریٹر بیچارہ انھیں بچانے کی کوشش میں خود بھی جل گیا۔ لیکن سب سے زیادہ تعجب خیز چیز یہ تھی کہ اس سنیما میں اس

وقت ''کوواڈس'' نامی انگریزی فلم دکھائی جارہی تھی، جس کے آخری مناظر میں شاہ روم نیرو نے نیا روم بنانے کے خبط میں سارا روم جلوا دیا تھا۔ یہ فلم بڑے اہتمام سے بنائی گئی تھی اور اس کے آتشزدگی کے مناظر بڑے ڈراؤنے اور۔۔۔ ٹھیک اسی وقت جب فلم دیکھنے والوں پر پردے کے ان مناظر کی دہشت طاری تھی، اچانک 'آگ لگی، آگ لگی' کا شور بپا ہوا اور پردہ ماند پڑ گیا۔ لوگ پروجیکشن روم کی طرف دیکھنے لگے اور اسی وقت اوپر سے جلتے ہوئے پلائی ووڈ کے ٹکڑے گرنے لگے۔ ایک عجیب سی دہشت چھا گی سارے ہال پر۔ لوگ بے تحاشا دروازوں کی طرف بھاگنے لگے اور اس گھبراہٹ میں انھوں نے ایک دوسرے کے پیر کچل دیے، کپڑے پھاڑ ڈالے، عورتوں کیلیے سب سے بڑی مصیبت تھی۔ وہ چیخنے لگی تھیں اسی وقت سنیما کے گیٹ کیپروں نے آکر تمام دروازے کھول دیے اور لوگ خوفزدہ انداز میں اندر سے شور مچاتے ہوئے بھاگ کر باہر نکلے۔

برماشیل کے کالٹیکس اسٹورز کی خوفناک آتشزدگی کے بعد ان وارداتوں نے اور سارے شہر میں ہیجان پھیلا دیا۔ اور ہر جگہ یہ خطرہ محسوس کیا جانے لگا کہ نہ جانے کب کس پر یہ بلائے ناگہانی نازل ہو جائے۔

تمام رات پولیس مختلف مقامات پر مشتبہ اشخاص کو تلاش کرتی رہی اور ان کی اس دن کی نقل وحرکت کی تحقیق کرتی رہی۔ رات گئے تک لاؤڈ اسپیکرز پر پبلک کو اطمینان دلایا جاتا رہا، مگر جو دہشت پھیل چکی تھی، وہ اتنی آسانی سے تو قابو میں آنے والی نہ تھی۔ آگ کسی اتفاق، یا کسی کی غلطی سے لگتی تو صبر کرلیا جاتا، لیکن یہاں اس سرخ روشنی کے دائرے کا بھی ذکر آچکا تھا اور وارداتوں کا یہ بھیانک سلسلہ اسی سے منسوب کیا جارہا تھا۔ اس لیے مبالغہ آمیزیوں نے حالات کو اور بھی سنسنی خیز بنا دیا۔

صبح ہوتے ہوتے گوداموں اور سنیما کی آگ پر قابو پا لیا گیا، لیکن بے سود تھا۔ وہ ملبے کا ڈھیر بن چکے تھے۔ پولیس کو ہر طرف سے لتاڑ پڑ رہی تھی۔ اخباروں نے بھی عجیب

تبصرے کرنا شروع کر دیے تھے۔کوئی اسے الف لیلیٰ کی واردا تیں بنا کر پیش کر رہا تھا،کوئی اس پر سائنسی نقطۂ نظر سے لکھ رہا تھا اور کوئی اسے جرائم کا کوئی اسرار اور خوفناک سلسلہ گردان رہا تھا۔ اور پولیس افسران کا یہ عالم تھا کہ 'نشست و برخاستند'۔ ویسے سی آئی ڈی اور سول پولیس کے آدمی چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے اور سائنسدانوں کی بھی خفیہ طور پر نگرانی کی جارہی تھی۔ یہاں تک کہ ان کی نقل و حرکت کیہ بھی خبر رکھی جاتی،مگر وہ بے ضرر ثابت ہو رہے تھے۔

دن چڑھنے کو آرہا تھا،سپرنٹنڈنٹ خان کا رات سے اب تک پتہ نہ تھا۔پولیس ہیڈ کوارٹرز سے پولیس کمشنر اور ڈپٹی کمشنر باٹلے کے کئی فون آچکے تھے۔باٹلے،اسرار،ابراہیم اور ڈیسوزا سے اسے سب طرف ڈھونڈھ کر تھکنے کے بعد خان کے بنگلے پر ہی جمع ہو گئے تھے۔اس وقت ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ خاموش بیٹھا سوچ رہا تھا۔کبھی کبھی انھیں گھبراہٹ بھی ہونے لگتی کہ نہ جانے خان کو کیا ہو گیا ہو۔لیکن خان کا اس طرح اچانک غائب ہو جانا ان کیلیے نیا نہ تھا۔اس سے پہلے بھی کبھی کبھی ایسا کر چکا تھا اور عین اس وقت جب اس کی گمشدگی سے سب پریشان ہو جاتے،وہ اچانک آپہنچتا۔آج بھی وہ اسی امید وبیم کے عالم میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔تھوڑی دیر کے بعد خان کے بنگلے کے فون کی گھنٹی بجنے لگتی،اور ان میں سے کوئی اٹھ کر دوڑ پڑتا۔لیکن وہ بجائے خاں کے،کسی پولیس افسر کا فون ہوتا جو خان کے بارے میں ہی پوچھتا ہوتا۔پولیس ہیڈ کوارٹرز میں پولیس افسران کی کانفرنس ہو رہی تھی،جس میں اس کی شرکت بہت ضروری تھی۔ایسے ہنگامی حالات کے مشورے اس کے بغیر ادھورے رہتے۔

''ایک آخری جگہ اور سمجھ میں آرہی ہے۔''باٹلے بیٹھے بیٹھے کچھ سوچ کر اچھل پڑا۔

''اب اور کیا آسمان میں تلاش کرنا ہے؟''اسرار نے جلے ہوئے سے لہجے میں جواب دیا۔

''میں نہیں بتاتا،مگر میں خود ڈھونڈنے جاتا ہوں۔''

''بہت سے تیر تو اب تک مار لیے ہیں تم نے،کچھ اور مار کر دیکھ لو۔''اسرار کے لہجے

میں طنز تھا۔

''ابے او اخروٹ، اگر اس وقت تو نے مجھ سے لڑنے کی کوشش کی تو ایک عدد خون کردوں گا۔ میرا دل ایسے ہی اپنے باس کی جدائی میں آٹھ اور آٹھ سولہ آنسو رو رہا ہے۔''

''لونڈیاں رویا کرتی ہیں۔'' ڈیسوزا بھی بیچ میں ٹپک پڑا۔

''اخاہ، تو آپ کو اس شدت سے احساس ہے اپنی مردمیت پہ جب کہ دو موذیوں میں کھٹ پٹ...'' بالے یہ کہتا ہوا کھسکا۔

''اگر پتہ چلے تو ہمیں فوراً فون کر دینا۔'' ڈیسوزا نے اس کو جاتے جاتے ہدایت کی۔

''خوب، درد کہیں بی فاختہ، کوے انڈے کھائیں۔'' بالے یہ کہتا ہوا دروازے سے نکل گیا۔

''کیا جنس تبدیل ہو رہی ہے؟'' پیچھے سے اسراری آواز سنائی دی۔

''یوشٹ اپ۔'' بالے نے پلٹ کر دروازے سے جھانک کر کہا۔ اور قبل اس کے کہ اسرار کوئی جواب دے، وہ لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا دروازے سے باہر نکل کر اپنی موٹر سائیکل سنبھال کر چل دیا۔

''ہیلو، میں بالے بول رہا ہوں۔''

''فرمایئے، بالیں صاحب۔'' فون پر ایک نرم و نازک لچکتی ہوئی آواز سے سنائی دی۔

''میرا نام بالے ہے، جناب۔''

''خیر یونہی سہی، کہیے کیا تکلیف ہے آپ کو؟''

''میرا باس کھو گیا ہے۔''

''پاس کھو گیا ہے تو دوسرا خرید لیجیے۔''

Akram Allahabadi

''لاحول ولاقوۃ۔میں آپ سے ان کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔''

''اوہ،میرے وہ اس وقت آرام کر رہے ہیں فرمایئے،سمع خراشی کرنی ہے آپ کو۔''

آرام...؟ بالے ایک دم اچھل پڑا۔''یعنی کہ روم جل رہا ہے اور نیرو لونا ولاہل پر پڑا آرام فرما رہا ہے۔''

''دیکھیے، وہ بہت تھکے ہوئے ہیں، خدا جانے رات بھر کہاں رہے ہوں۔یہاں ابھی دو گھنٹے قبل آئے ہیں اور تب ہی سے سو رہے ہیں۔''دوسری طرف سے کھنکتی آواز میں جواب ملا۔

''اچھا اچھا تو ذرا آپ یہ رسیور ان کے کانوں کے پاس لگا سکتی ہیں۔''

''ہاں ہاں،ابھی لیجیے،فون ان کے سرہانے تپائی پر رکھا ہے۔''نرگس نے جواب دیا اور ساتھ ہی فون پر تپائی کھسکنے کی آواز سنائی دی۔

''لیجیے،اب جگایئے اپنے باس کو۔''وہ یہ کہہ کر شاید فون پر سے ہٹ گئی۔

''ہیلو باس،ہیلو جناب سپرنٹنڈنٹ پولیس آف خان صاحب۔''

''اھم...آں...آنہہ...ہپ...''رسیور پر اسے نیند میں کروٹ بدلتے ہوئے کسی کی جماہی اور کسمساہٹ سنائی دی۔

''اجی قبلہ، میں اگو کا پٹھا بول رہا ہوں،آپ کا اسسٹنٹ،کیا گھوڑے بیچ کر سوئے ہیں آپ؟''

''اٹھیے، رات سے سارے شہر میں اودھم مچا ہوا ہے اور یتیم بیواؤں سے لے کر پولیس آفیسران تک آپ کی جان کو رو رہے ہیں۔''

''تو رونے دو،اور تم بھی روؤ، میں سو رہا ہوں۔''

''اللہ آپ کو کروٹ کروٹ نیند نصیب کرے،قبلہ،لیکن آپ کو معلوم ہے کل رات کو کیا کیا ہو گیا ہے؟''

Akram Allahabadi

''ایک سنیما کو آگ لگی ہوگی، بیتال گودی اور گوداموں میں دھماکے ہوئے ہوں گے۔''خان کی آواز سنائی دی۔

''ارے تو یعنی یہ کوئی بات ہی نہیں؟''

''ہوگئی بات کو رونا حماقت ہے، آگے کی سوچنا چاہیے۔''

''صبح سے پولیس ہیڈ کوارٹرز سے کچھ کم دو درجن فون آچکے ہیں، وہاں افسروں کی میٹنگ ہورہی ہے۔''

''بھئی، سیدھی سی بات یہ ہے کہ یہ کیس اپنے بس کے نہیں، میں ان میں ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتا۔''

''اوگاڈ، یہ آپ کہہ رہے ہیں، جو کبھی ناممکن کے قائل ہی نہیں تھے۔''

''انسانوں کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے، خواہ وہ کتنے ہی خطرناک کیوں نہ ہوں، مگر آسیب یا بدروحوں کا مقابلہ پولیس کے بس کا روگ نہیں۔ پولیس والے تو ویسے ہی نصف ناپاک ہوا کرتے ہیں۔''خان نے جواب دیا۔

''آج آپ کو ضرور کچھ ہوگیا ہے، ورنہ ایسی بہکی بہکی باتیں آپ کبھی نہ کرتے تھے۔''

''کیا آپ نے رام ناتھ کی موت، پہاڑی ۳۷ کی عجیب وغریب واردات سنی ہے؟''

''میں اس معاملے میں کوئی دلچسپی نہیں لینا چاہتا۔''

''تو کیا اب آپ لونا ولا ہل میں ہی رہیں گے؟''

''انشاءاللہ۔''

''کیا آپ نے پولیس کمشنر کو بھی اپنے فیصلے سے مطلع کردیا ہے؟''

''انھیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں کہاں ہوں، بعد میں انھیں خط لکھ کر

بتادوں گا۔'

''آپ نے ہی مجھے سکھایا ہے کہ حرامخوری نہ کرنی چاہیے۔''

''اوائو۔''خان نے اسے ڈانٹا۔

''تو میں استعفےٰ دے رہا ہوں۔''

''پھر کوئی دو ٹکے کو نہ پوچھے گا۔''

''میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''میں ابھی کسی سے ملنا نہیں چاہتا، میرے رومانس کا پیرن ہے۔''

''یا خدا، ضرور کسی نے آپ کو کچھ کھلا دیا ہے۔ یہ آپ کے دماغ کو ہو کیا گیا۔''

''شٹ اپ۔'' کہتے ہوئے خان نے لائن منقطع کر دی اور بالے سر تھام کر ٹرنک بوتھ کی پچھلی لکڑی کی دیوار سے ٹک گیا۔ زندگی میں پہلی بار خان کے منہ سے ایسی الٹی سیدھی باتیں سنی تھیں۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اس کا سر چکرانے لگا۔ بمشکل تمام وہ بوتھ سے نکل کر اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھا اور پھر خان کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

نرگس

''آج آپ یہ کیسی عجیب عجیب باتیں کر رہے تھے۔''نرگس نے اس کے قریب آتے ہوئے سادگی سے پوچھا۔

''عجیب، کچھ بھی نہیں۔ میں دراصل اس قسم کے کیس میں ہاتھ ڈالنا ہی نہیں چاہتا۔'' خان نے سنجیدگی سے جواب دیا اور پھر مسکراتی نظروں سے نرگس کے سراپا کا جائزہ لینے لگا۔ وہ سفید غرارے اور پیازی فراک کے اوپر دھانی رنگ کا دوپٹہ اوڑھے حسن کی ایک نظرِ فریب معصوم تصویر معلوم ہو رہی تھی۔ سپرنٹنڈنٹ خان نے درحقیقت ایک قدر شناس جوہری کی طرح ایک ہیرے کو کیچڑ سے نکال کر صاف کیا تھا۔ آج وہ اس دَور سے بالکل مختلف، ایک بلند کردار اور سلجھی ہوئی لڑکی ثابت ہو رہی تھی، جسے اس کا ماضی بھی بالکل ستھرا اور پاکیزہ رہا ہو۔ اور یہ سب سپرنٹنڈنٹ خان کی نفسیاتی مشوروں کا نتیجہ تھا، جس سے اس میں اتنی زبردست ذہنی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ آج کی نرگس کو اس کے ماضی کے تخیل پر پہچاننا ہی مشکل تھا۔ وہ نرگس مر چکی تھی، جو قانون اور اخلاق کے دشمنوں کی آلہ کار تھی، اب ایک نئی نرگس نے اس کی جگہ لے لی تھی، جسے پہلی نظر میں ہی کوئی لکھنؤ کے کسی شاہی گھرانے کی خوبصورت نواب زادی سمجھنے کی غلطی کر سکتا تھا۔ اس نے اپنے اندر ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر لی تھی۔ وہ صحیح معنوں میں مجسمہ حیرت تھی۔ شروع شروع میں اپنے اذیت ناک ماضی کی تلخ یادوں کو بھولنے کی کوشش کرتے ہوئے وہ بیمار پڑ گئی تھی اور ڈاکٹروں نے مشورہ دیا تھا کہ اگر اسے کسی کھلے ہوئے پرسکون پہاڑی مقام پر لے جا کر نہ رکھا گیا اور ہر طرح اس کی دلجوئی نہ کی گئی تو ممکن ہے اسے دق ہو جائے۔ بدنصیب نرگس کا اس لمبی چوڑی دنیا میں کوئی بھی نہ تھا، مگر سپرنٹنڈنٹ خان ہی اس وقت بھی اس کے کام آیا۔ اس نے اپنی طرف سے لونا ولا ہلز پر اس کیلیے ایک چھوٹا سا بنگلہ نما

مکان اور دو نوکروں کا انتظام کر دیا۔ اور کبھی کبھی وہ خود بھی اسے دیکھنے یا خیریت پوچھنے آجایا کرتا تھا۔

اسے کپڑے پہنے دیکھ کر وہ سٹ پٹا سی گئی۔

''تو کیا آپ ابھی جا رہے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''ہم لوگوں کی زندگی میں سکون کہاں، ہر وقت جان سولی پر رہتی ہے۔'' وہ نائی میں گرہ دیتے ہوئے بولا۔

''لیکن ایسا بھی کیا، ہفتوں میں تو آپ دو تین گھنٹوں کیلیے تشریف لائے اور مجھے خدمت کا موقع بھی نہ دیا۔'' اس نے اداس سے لہجے میں کہا۔ اس کی آواز کے تاثر کو محسوس کرتے ہوئے خان اس کی کنول کی پنکھڑیوں کی طرح کھلی ہوئی خوبصورت آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

''خدمت کرنا چاہتی ہو میری؟'' وہ مسکرایا۔

''آپ نے میرے لیے جو کچھ کیا ہے، اس کی قیمت تو میں اپنی جان سے بھی نہیں چکا سکتی۔'' وہ گلوگیر آواز میں بولی۔

''ہشت، ایسی باتیں نہیں کرتے۔'' خان نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''آپ تو بولنے بھی نہیں دیتے۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے۔ خان کا دل تڑپ اٹھا سینے میں۔ خدا جانے وہ کونسی نادانستہ کشش تھی جس نے خان جیسے خشک مزاج پولیس افسر کے دل میں بھی اس کمزوری کا اعتراف اپنے آپ سے بھی کرتے ہوئے اسے جھجک محسوس ہوتی۔ وہ نرگس کی آنکھوں کی محبت اور سچائی سے لبریز کیفیت میں اپنے دل کو ڈوبتا محسوس کرنے لگا۔ اس سے نہ رہا گیا۔

''نرگس۔'' اس نے اسے بازوؤں سے تھام کر اپنی آغوش میں لے لیا اور پھر عالمِ سپردگی میں وہ ایک دوسرے سے اتنے قریب ہو گئے کہ ان کے دل کی دھڑکنیں ایک ساتھ

Akram Allahabadi

چلنے لگیں۔انھوں نے ایک دوسرے کو شدتِ جذبات سے اس طرح سینے سے بھینچ رکھا تھا کہ جیسے اب کبھی جدا نہ ہوں گے۔

''آپ نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔اب اس زندگی کو ان ہی قدموں میں پڑا رہنے دیجیے۔''نرگس کے لہجے میں التجا تھی۔

''قدموں میں۔''خان مسکرایا۔''اونہونہہ، یہاں۔''اس نے اپنے دل کی طرف اشارہ کیا اور فرطِ جذبات سے نرگس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔زندگی میں پہلی بار وہ ایک سچی اور ناقابلِ بیان مسرت محسوس کر رہی تھی۔ان کی سانسیں ایک دوسرے کے رخساروں سے ٹکرانے لگیں اور پھر ایک طویل بوسے نے خان کی کلائی پر بندھی ہوئی سنہری گھڑی سیکنڈ کی سوئی ایک منٹ سے دوسرے منٹ تک پہنچا دی۔

☆☆☆☆☆☆

وہ نرگس کو الوداع کہتا ہوا ابھی باہر ہی نکل رہا تھا کہ بالے کی موٹر سائیکل شور مچاتی ہوئی احاطے میں داخل ہوئی۔

''ارے تم یہاں آ پہنچے۔''خان اسے دیکھتے ہی بگڑ گیا۔

''میں آپ کو گرفتار کرنے آیا ہوں۔''بالے نے کہا۔

''اوہ تو اب آپ اتنے فرض شناس ہو گئے ہیں۔''خان آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

''آپ کی گمشدگی سے ہیجان پھیلا ہوا ہے۔''

''تو میں کیا کروں؟''خان ادھر ادھر نظر دوڑاتے بولا۔

''اللہ آپ پر رحم کرے، یہ آپ کو ہو کیا گیا ہے؟''بالے نے سنجیدگی کے ساتھ حیرت کا اظہار کیا۔

''چلو یہاں سے نکل چلو۔''خان نے احاطے میں کھڑی ہوئی اپنی کار کی طرف

بڑھتے ہوئے کہا۔

''تم چلو، میں کار پر آ رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ کار میں بیٹھ گیا اور بالے منہ بناتا ہوا اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر احاطے سے باہر نکل گیا۔ نرکس کو اس کی آمد کی خبر تک نہ ہوئی، وہ اندر تھی۔

''یہ آپ فون پر بہکی بہکی باتیں کیسے کر رہے تھے، میں تو سمجھا خدانخواستہ آپ کو مالخولیا ہو گیا ہے۔'' بالے نے موٹر سائیکل اس کی کار کے بالکل نزدیک لا کر پوچھا۔

''مالخولیا؟'' خان نے چونک کر پوچھا۔

''یہ مالیخولیا کی نئی قسم ہے، جس میں مال تو ملتا نہیں خالی خولی کا ڈھونگ رہتا ہے۔'' وہ بلند آواز میں بولا۔

''اور یہ شاید تمہیں ہو رہا ہے۔''

''آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟''

''تم سے میرا کوئی ایسا رشتہ تو نہیں جو تمہاری ہر بات کا جواب دینا میرے لیے فرض ہو۔''

''لاحول ولاقوہ۔ کیا بھونڈی سی بات کہی ہے آپ نے۔''

''اچھا، اب اپنی چونچ بند رکھو، میرا دماغ فالتو نہیں ہے۔'' خان نے اپنی گاڑی دائیں کنارے کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ بالے کی موٹر سائیکل کچھ فاصلے پر رہ گئی تھی۔

''جی کیا فرمایا آپ نے، کیا پالتو نہیں ہے؟'' بالے نے تقریباً چیخ کر کہا۔

''الو۔'' خان نے اسے جھڑک دیا۔

''میں پالتو الو دیکھا ہے۔'' بالے پھر موٹر سائیکل کو قریب لا کر ایک ہاتھ سے کار کی اگلی کھڑکی کو تھام کر بولا۔

''شاید آئینہ دیکھا ہو گا تم نے۔'' خان یہ کہہ کر پھر سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔

''آپ میرے سوال کو گول کر گئے؟''

''بیٹے، اس وقت ایک سایہ میری نقل و حرکت کی نگرانی کر رہا تھا، پھر ایسے میں کیا میں ٹیلیفون پر اپنی رپورٹ دینے لگتا۔

''سایا، یعنی کہ وہ جو عورتیں...'' لیکن بالے کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔ سامنے سے ایک مال سے بھری ہوئی گاڑی آ گئی تھی، اسے راستہ دینا تھا۔

''تو اس کا مطلب یہ ہے مقابلہ باقاعدہ شروع ہو گیا ہے۔'' بالے قریب آ کر بولا۔

''کوئی میرا پیچھا کر رہا تھا، اس قدر تو میں محسوس کر سکا ہوں، لیکن بظاہر کوئی بھی ہمارے سامنے نہیں ہے۔''

''وہ تھا کون؟''

''یہی تو معلوم نہیں ہو سکا۔ میں جس وقت ٹیلیفون کا رسیور اٹھا رہا تھا، دیوار گیر آئینے میں میں نے اس کے سامنے والے آئینے کا عکس دیکھا۔ اس آئینے میں ایک پیچھے میدان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کا عکس تھا، جس کے ایک پٹ پر دوسری طرف چھپے کھڑے ہوئے کسی آدمی کا سایہ پڑ رہا تھا۔'' خان نے بتایا۔

''افوہ، یہ تو وہی مثل ہوئی کہ روایت ہے فلاں بن فلاں سے کہ فرمایا فلاں نے فلاں سے کہ فلاں شخص...'' بالے نے بکنا شروع کر دیا۔

''بند کرو اپنی بکواس، تم بے وقت کی الاپنے لگتے ہو۔''

''بالے۔'' خان اچانک چیخا۔ اس نے ونڈ اسکرین کے اوپر لگے ہوئے اس چھوٹے سے آئینے میں کچھ دیکھ لیا تھا، جس میں پچھلی نشستوں اور پچھلی شیشے دار کھڑکی کا عکس بھی پڑتا تھا۔ بالے چونک پڑا۔ لیکن اس نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی بجائے موٹر سائیکل کی رفتار ایک دم تیز کر دی اور اس کی گاڑی سے آگے نکل کر بائیں ہاتھ پر آ گیا۔ ٹھیک اسی وقت ایک اسٹیل باڈی کا تیس ہنڈرڈ ویٹ کا بندر ٹرک برق رفتاری سے فراٹے بھرتا ہوا خان کی کار کے نزدیک سے گزر گیا۔ خان نے اسٹیرنگ پر قابو رکھتے ہوئے گاڑی ایک دم کنارے کی طرف گھما دی، ورنہ

بڑا خوفناک تصادم ہو گیا ہوتا۔

''یہ یقیناً ایک حملہ تھا۔'' بالے نے کچھ دور سے چیخ کر کہا۔

''تم پیچھا کرو اس، میں بھی آ رہا ہوں۔'' خان نے بالے کو ہدایت کی اور بالے نے موٹر سائیکل کا ایکسیلیٹر دبا کر بیچ سڑک پر اسے ہوا کی رفتار سے چھوڑ دیا۔ لیکن اس کی موٹر سائیکل جتنی تیز دوڑتی جاتی آگے جانے والا ٹرک اتنا ہی تیز ہو جاتا۔ خان نے بھی اپنی کار کو اس وقت ۵۰ اور ۵۵ کے درمیان چھوڑ دیا تھا۔ بعض جگہ پختہ سڑک میں پڑے ہوئے گڈھوں پر سے گزرتے ہوئے وہ تین تین فٹ اوپر اچھل جاتی لیکن اسے گاڑی دوڑانے پر ملکہ حاصل تھا، اس کا ہاتھ ذرا نہ بہکتا۔ آگے پیچھے اسی تیز رفتار سے تعاقب کرنے کے باوجود وہ اس ٹرک کو نہ پا سکتے، اگر شہر کے نزدیک پہنچتے ہوئے پوائی کے پل کے اسی طرف ٹرک کو سامنے سے آنے والی گاڑیوں کو راستہ دینے کیلیے نہ رکنا پڑتا۔ اس کی رفتار دھیمی پڑتے ہی خان اور بالے نے اسے جالیا۔ دونوں طرف سے کار اور موٹر سائیکل کے اس طرح روکنے پر پل کے نزدیک کھڑا ہوا ایک اسپیشل ڈیوٹی پولیس کانسٹیبل بھی چونک پڑا۔

بالے موٹر سائیکل سے اور خان اپنی کار سے نیچے اتر آئے۔ ایک ہاتھ جیب میں رکھے ہوئے سپرنٹنڈنٹ خان اس ٹرک کے اگلے حصے کی فٹ بورڈ پر چڑھ گیا۔ اس میں ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اور ایک موٹا سا ڈرائیور تھا۔ وہ آدمی تو پچھلے حصے سے ٹک کر اونگھ گیا تھا، ڈرائیور اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔ خان نے غور سے اس کی صورت دیکھی اور کہا۔

''تمہارا لائسنس؟''

''کیوں؟'' اس نے لڑکھڑائی ہوئی آواز نکالی۔

''اپنا لائسنس بتاؤ، تم خلافِ قانون خطرناک رفتار سے گاڑی چلا رہے تھے

''ہاں... ہچ... تو کسی کے باپ کا... ہچ... اجارہ...'' اس نے یہ کہتے ہوئے اپنی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس کے اندر سے لائسنس نکالیا۔

Akram Allahabadi

''معلوم ہوتا ہے لگی ہے بری طرح۔''بالے نے اس کی طرف اشارہ کر کے خانسے کہا۔

''لگی ہوئی ہے...کیا لگی ہوئی ہے؟...ہچ...''ڈرائیور اپنی ایک انگلی اس پر نچا کر بولا۔

اے، میں۔۔۔ہچ۔۔۔۔سمجھے۔''اس نے ان پر دھونس جمائی۔

''یہ گاڑی کس کی ہے؟''

''ہی ہی ہی...وہ بچوں کی طرح ہنسا۔''اتنا بھی نہیں...ہچ...جانتے۔یہ اسپتال کی ہے۔''

''کونسا اسپتال؟''

''سی...ول...اس...پتال...''اس نے اسٹیرنگ پر جھومتے ہوئے کہا۔

''اتنے میں پل کا راستہ صاف ہو چکا تھا۔خان نے لائسنس دیکھا، وہ ایک لمحہ سوچنے لگا، پھر بالے کی طرف رخ کر کے بولا۔

''اس نے پی رکھی ہے، تم اسپتال تک اس کے ساتھ جاؤ ورنہ کہیں نہ کہیں ضرور ایکسیڈنٹ ہو جائے گا۔''خان نے بالے کو آنکھ سے اشارہ کیا۔

''بہت خوب۔''بالے اٹینشن ہو گیا۔خان نے لائسنس کا نمبر اور ڈرائیور کا نام نوٹ کر لیا اور لائسنس لوٹاتے ہوئے اپنی کار میں آ کر بیٹھ گیا۔وہ ٹرک بالے کے اسکواڈ میں شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

شاید ڈرائیور نے بالے کے خان کو سلیوٹ کرنے کے انداز سے سمجھ لیا تھا کہ یہ پولیس آفیسرز ہیں۔وہ اب گاڑی اتنی تیز چلا رہا تھا۔خان کی کار بھی پیچھے کچھ دور پر آ رہی تھی۔

بالے اسپتال تک اس اسٹیل باڈی ٹرک کو پہنچا کر کافی دیر سے لوٹا۔خان شہر کے بیرونی علاقے کے ایک ہوٹل 'کیفے بہار' میں اوپر پرائیوٹ کارنر میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

واپسی پر یہیں ملنے کیلیے اس نے بالے کو ہدایت کی تھی۔اس موٹل کے آدمی شاید انھیں جانتے بھی نہ تھے،اس لیے انھوں نے ان کو عام آدمیوں سے زیادہ اہمیت نہ دی۔ یہاں بیٹھنے سے خان کا مقصد بھی یہی تھا۔

''بہت دیر کردی تم نے؟''اس نے بالے سے پوچھا۔

''اس ڈرائیور کے متعلق کچھ معلومات حاصل کر رہا تھا، کیونکہ مجھے راستے میں ہی شک ہوگیا تھا کہ اس نے شراب نہیں پی ہے،صرف بن رہا ہے۔''بالے نے بتایا۔

''ہاں،اس کی آنکھیں دیکھ کر میں نے بھی یہی سمجھا تھا،اسی لیے میں نے تم کو اس کے ساتھ بھیجا تھا۔''

''بہرحال اسٹیل باڈی ٹرک میں تو کچھ شیشے کے سائنسی آلات کی پیکنگ اور دوائیں وغیرہ تھیں اوراس ڈرائیور کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ ڈاکٹر گڈکر کا خاص آدمی ہے اور صرف اسی گاڑی پر رہتا ہے۔گاڑی کو اسٹورز کے سامنے چھوڑ کر وہ سیدھا ڈاکٹر کے پاس ہی گیا تھا، کیونکہ میں تو بظاہر اسپتال کے دروازے سے ہی اس سے رخصت ہولیا تھا۔وہ ڈاکٹر کے کمرے سے تقریباً ۱۵۔۲۰ منٹ کے بعد باہر نکلا۔اور پھر اسپتال کے دفاتر کے باہر والے اسٹاف ریسٹ روم کے ورانڈے میں جا کر ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔''بالے نے بتایا۔

''یہ تو کوئی خاص معلومات نہیں ہوئی۔''

''میں نے اس ڈرائیور کی شام کی نشست گاہ بھی معلوم کرلی ہے۔ویسے عملے کے لوگ بتاتے ہیں کہ وہ کم گو اور غصہ ور قسم کا آدمی ہے۔''

''وہ دوسرا آدمی کون تھا؟''

''وہ اسٹورز کا کوئی کلرک تھا اور یہ لوگ دیر گام ریلوے اسٹیشن سے ڈاکٹر گڈکر کے پارسل چھڑا کر لا رہے تھے۔''بالے نے بتایا۔

''خیر، مجھے تم سے ایک دوسرا ضروری کام لینا ہے۔''

''فرمایے۔''

''تمہیں خوبصورت لڑکیوں سے عشق ہو جایا کرتا ہے نا؟''

''ہر خوبصورت لڑکی سے نہیں۔''

''بہر حال میں چاہتا ہوں کہ تم ایک لڑکی سے عشق کرو۔''

''یعنی کہ آپ کے کہنے سے، واہ بھئی، کوئی زور دوستی... ہے۔'' وہ زبردستی کو بنگالی لہجے میں بگاڑ کر بولا۔

''میں جو کہتا ہوں، ویسا کرو۔''

''تو گویا عشق فرمان بھی پولیس کی نوکری کے فرائض میں داخل ہے؟''

''اس میں تو بہت کچھ داخل ہے۔''

''شاید آپ نے چچا غالب جنھیں اللہ نے جنت نصیب کر دی ہوگی، کو وہ شعر سنا ہے کہ عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش...

''یہاں ایک لڑکی کی جان بچانے کا سوال ہے۔ وہ بری طرح احساسِ کمپرسی کا شکار ہو گئی ہے، اس کے علاوہ اس سے دوسرے طریقے سے ہمیں کچھ مدد بھی مل سکے گی۔''

''تو گویا یہ عشق ہمدردانہ کے ساتھ ساتھ عشق تاجرانہ بھی ہوگا۔''

''اُو، وہ سمجھ رہی ہے کہ دنیا کا کوئی مرد اب اسے اپنانا پسند نہ کرے گا اور اسی احساس سے وہ بہت بری طرح نڈھال ہے، لیکن اس کا نتیجہ خودکشی بھی ہو سکتا ہے۔''

''اب سمجھا۔ آپ غالباً پروین کے بارے میں کہہ رہے ہیں؟'' بالے چونک کر بولا۔ ''ہے تو کافی خوبصورت لڑکی۔''

''مگر...؟''

''مگر کیا؟''

''اپنے دل کا فلیٹ آج کل خالی جو نہیں، ایک محترمہ نے پہلے سے پگڑی دے رکھی

ہے۔"

"تمہارا دل تو مداری کا مٹکا ہے، اس کی بات چھوڑو۔"

"تو یعنی کہ مجھے اس سے عشق فرمانا ہی ہوگا۔"

"ہُم۔"

اور نہ فرماؤں تو؟"

"تو پھر تم سے عشق فرماؤں گا۔"

"لاحول ولاقوۃ۔ پھر وہی بھونڈا مذاق۔"

"اور تم خود اس کی طرف جھکتے جھکتے اسے اس بات کا احساس دلاؤ گے کہ وہ اس قابل ہے کہ اسے پسند کیا جائے، اس سے محبت کی جائے اور اسے اپنایا جائے۔"

"اور اگر گلے پڑ گئی تو؟"

"تو شادی کر دیں گے تمہاری۔"

"دیکھیے قبلہ، میری پہلے ہی دو درجن ناخلف اولادیں اور تین درجن ...آئی ایم ساری، تین بیویاں ہیں۔ وہ سب کے سب یتیم ہو جائیں گے۔"

"میں تو سمجھا تھا کہ تم نے اور لمبی فہرست بنا رکھی ہوگی۔ بہر حال جو میں نے کہا ہے وہ ہونا چاہیے۔"

"بہت... بہہ...تر ہے، عالیجاہا... بندہ ضرور اس پارسی لونڈیا سے عشق فرمائے گا۔ باقی نفع نقصان کی ذمے داری آپ پر۔" بالے نے معصوم سی صورت بنا کر کہا۔

"شاباش، اچھے بیٹے ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔"

"اور اچھے بزرگ بھی ایسے ہی ہوا کرتے ہیں جو خود برخورداروں کو عشق فرمانے کیلیے مجبور کریں۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو میں آج پریمیئر ہوٹل میں عشق کی ریہرسل کر آؤں۔"

Akram Allahabadi

''ریٹا اب وہاں نہیں ہے۔''

''لیکن ملتی وہیں ہے اکثر شام کو۔'' بالے نے جواب دیا۔

''جاؤ جہنم میں۔'' خان جھنجلا گیا۔

''وہاں اور بھی حسینانِ پیرس ملیں گی۔'' بالے نے چائے کا ایک گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے جواب دیا۔

سپرنٹنڈنٹ خان خلافِ توقع رات کو ۸ بجے گھر پہنچا۔ اس وقت صرف اسرار گھر پر موجود اس کی راہ دیکھ رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی خوشی سے کھل اٹھا۔ پیچھے پیچھے بالے بھی آ گیا۔ گھر کے ملازم بھی مالک کے اس طرح غائب ہو جانے سے فکرمند تھے۔ صبح کا کھانا رکھے رکھے سڑ گیا تھا۔ شام کا کھانا اسی انتظار میں رکھا تھا کہ ممکن ہے وہ کسی وقت بھی آ جائے۔ اور وہی ہوا۔ کھانے کی میز پر جب وہ بالے اور اسرار کے ساتھ بیٹھا تو چپ چاپ ساتھ، بالے کو تو پریمیئر ہوٹل جانے کی جلدی تھی۔ اس لیے وہ جلدی جلدی کھانا ختم کرنے کی کوشش کرنے لگا اور اسرار بار بار خان کے چہرے کی کیفیتوں کو دیکھ رہا تھا۔

اسرار نے گزشتہ شب پہاڑی ۳۷ پر جو کچھ حیرت انگیز واقعات ظہور میں آئے تھے، وہ سب خان کو سنا ڈالے تھے، دراصل اسی رپورٹ نے اسے اور چکر میں ڈال دیا تھا۔ بظاہر یہ کام انسانی ہاتھوں کا نہ معلوم ہوتا تھا، مگر بدروحوں کے وجود پر یقین کرنا بھی تو مشکل تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ٹیلا اسی قبرستان کی۔۔۔ تفریح گاہ ہو، لیکن وہ سرخ دائرہ؟ پہاڑی ۳۷ پر جو کچھ ہوا تھا وہ اسی سرخ دائرے کی آمد سے کچھ قبل ہوا تھا۔

''میں کل اس پہاڑی کو دیکھ کر ہی کوئی رائے قائم کر سکوں گا۔'' خان نے سب کچھ سننے کے بعد کہا، مگر بالے کو تو یقین ہی نہیں آیا۔

''سب بنڈل ہے۔ ان لوگوں نے ضرور کوئی بھیانک خواب دیکھا ہوگا، یا پھر چرس کا دم لگایا...'' وہ یہ کہنا ہی چاہتا تھا کہ خان کی گھورتی ہوئی نظروں کو دیکھ کر اس کا منہ بن گیا۔

Akram Allahabadi

''مجھے کیا، میں تو غیر جانبدارانہ تبصرہ کر رہا تھا۔''اس نے بچوں کی طرح منہ بسور کر کہا۔

''رام ناتھ کو دن میں تلاش کیا تھا وہاں؟''خان نے پوچھا۔

جی ہاں، اس کی لاش ٹیلے کی پھٹی ہوئی زمین کی ایک دراڑ میں ملی ہے۔''

''چچ چچ، بیچارہ۔''خان نے اظہارِ افسوس کیا۔

''کسی شہید پولیس کیلیے چچ چچ کے الفاظ استعمال نہ کرنے چاہئیں۔''بالے پھر بیچ میں بول پڑا۔

''تم نے چپ رہنا بھی سیکھا ہے کبھی؟''خان نے اسے جھنجلا کر ڈانٹا۔

''جی ہاں، صرف پانے ہونے والے سسر کے سامنے۔''بالے نے برجستہ جواب دیا اور خان مسکرا کر رہ گیا۔

''آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ آپ چلے کہاں گئے تھے۔''بالے نے سنجیدہ ہو کر سوال کر بیٹھا۔

''میں ہیلی کاپٹر پر اس آتشی دائرے کا پیچھا کر رہا تھا، لیکن وہ بہت تیز پرواز کر رہا تھا۔ اس دور سے صرف اس کا وہ مقام دیکھا جا سکا جہاں جا کر وہ نظروں سے اوجھل ہوا۔ بعد میں ہم وہاں تک پہنچ گئے۔''

''یقیناً ہندوستان میں ہی ہوگا وہ مقام تو؟''بالے ٹپک پڑا۔

''وہ جگہ لوناولا کے قریب منگسور کے علاقے میں بنا ہوا ایک بہت پرانا تاریخی مقبرہ ہے۔''

''مقبرہ؟''وہ دونوں چونک پڑے۔

''یہ مقبرہ ایک گنبدار پتھریلی اونچی سی عمارت ہے، جس کو باہر سے خاردار جھاڑیوں نے گھیر رکھا ہے۔ وہ آتشی دائرہ اسی کے قریب پہنچ کر کہیں غائب ہوا تھا۔''خان نے بتایا۔

Akram Allahabadi

''تو کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آتشی دائرہ کوئی روح ہے جو پرواز کرتی اور آگ لگاتی پھرتی ہے۔''

''بظاہر تو یہی کہا جا سکتا ہے، کیونکہ میں نے خود اس تمام علاقے کو چھان مارا ہے اور کوئی بات شبے کے قابل نہیں پائی۔''خان نے جواب دیا۔

''یہ لیجیے، اب آپ کو بھی آسیب لگا۔''بالے نے پھر لقمہ دیا۔

''کیا اس کے قریب کوئی آبادی نہیں ہے؟''اسرار نے دریافت کیا۔

''ہے، دو میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے، وہاں میں نے اس مقبرے کے متعلق عجیب عجیب روایتیں سنی ہیں۔لوگ اسے جلالی پیر کا مقبرہ کہتے ہیں، لیکن سروے کے نقشہ جات میں میں نے پڑھا ہے اس کا اندراج کسی مغل صوبیدار جلال خان کے مزار کے نام سے ہے۔''

''کوئی زیادہ فرق نہیں جلال خاں یا جلالی پیر۔جلال بہر حال جلال ہے۔''بالے نے اپنی رائے شامل کر دی، مگر اس پر کسی نے توجہ نہ دی۔

''تلے گاؤں کے لوگ کہتے ہیں کہ راتوں کو اس قبر سے کبھی کبھی شعلے نکلتے دیکھے گئے ہیں، اس لیے کوئی دہشت کی وجہ سے اس طرف نہیں جاتا۔صرف جمعرات کے دن، دن کے وقت عقیدتمند لوگ پھول وغیرہ چڑھانے چلے جاتے ہیں۔گاؤں کے کسانوں نے اسی ڈر سے راتوں کو اپنے کھیتوں کی رکھوالی چھوڑ دی ہے۔ان کا یہ کام اب ان کے پالتو کتے کرتے ہیں۔''

''البتہ ایک آدمی نے جو شاید پیشاب کیلیے راتوں کو اٹھا تھا، یہ ضرور بتایا کہ اس نے آسمان پر کوئی روشنی بڑی تیزی سے دوڑتی دیکھی تھی۔وہ اسے شیطان سمجھا تھا۔

''عجیب روایتیں ہیں۔''اسرار نے حیرت سے سر کو جھٹکا۔

''اب کی بار بڑے عجیب معاملات سے پالا پڑا ہے، اس لیے تم لوگوں کو محتاط رہنا چاہیے، بلکہ بظاہر عام توہم پرستوں جیسی باتیں کرو۔''

''آپ کا تعاقب بھی تو کر رہا تھا کوئی؟''بالے نے پوچھا۔

''میں نے صرف وہی سایہ دیکھا تھا، مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا مقصد کیا تھا۔ ابھی تک تو سارا معاملہ گول ہے۔ مجھے تو اس ڈرائیور پر بھی شک ہے کہ وہ شراب کے فرضی نشے کی آڑ لیتے ہوئے دراصل گاڑی ٹکرا کر ہمارا خاتمہ کرنا، یا نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ تیز رفتار میں اس کا ہاتھ بہک گیا ہوں۔''

''ہاں، معنی تو بہت ہیں، بہرحال دیکھا جائے گا۔ مجھے اس وقت ڈی آئی جی سے ملنا ہے، تم لوگ اپنا کام کریں، کل صبح ۱۰ بجے البتہ یہاں آجاؤ۔ ہم پہاڑی ۳۷ کو دیکھنے چلیں گے۔'' خان نے اسرار کو ہدایت کی تو بندہ کھسکا۔ بالے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆☆☆☆

'پروین ولا' کے ورانڈے میں وہ اپنی ماں اور بالے کے سامنے مرجھائی ہوئی سی بیٹھی تھی۔ بالے اس کے اترے ہوئے چہرے کے خوبصورت نقوش کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ مسز ہرمز سے وہ پہلے ہی اپنا تعارف سپرنٹنڈنٹ حضور احمد خان کے دوست کی حیثیت سے کرا چکا تھا، اس لیے وہ ابھی ابھی اپنا سارا دکھڑا اس کے سامنے رو کر اس کی ہمدردیاں سمیٹے بیٹھی تھیں۔

ان کے نزدیک خود ان سے زیادہ قابلِ رحم حالت پروین کی تھی، کیونکہ وہ اسی غم میں دن بدن نڈھال ہوئی جا رہی تھی کہ اب اس کی زندگی بیکار ہو چکی ہے۔ اور یہ حقیقت بھی تھی کہ اس کا کرسچین پڑوسی جو کبھی اس کی ایک ایک ادا پر جان چھڑکتا تھا، اب ادھر جھانک کر نہ دیکھتا تھا۔ خود اس کا محبوب ترین ساتھی ''سیتا پور'' جس سے کبھی وہ خود بھی والہانہ محبت کرتی تھی۔ ان اذیت ناک واقعات کے بعد طوطے کی طرح آنکھیں پھیر چکا تھا۔ وہ اب اسی کے سامنے ایک دوسری لڑکی کو ساتھ لے کر گھوما کرتا تھا اور ان ہی چیزوں نے پروین کے دل میں اس یقین کو گہرا بٹھا دیا تھا کہ وہ اب کسی کے لائق نہیں رہ گئی۔ اسے باقی دن زندگی کے لطافتوں سے محروم رہ کر گزارنے پڑیں گے۔ آج اسے وہ سادہ لوح غریب مسلمان کلرک، انیس، بھی یاد آرہا تھا، جو کی

محبت بھری نگاہوں کو کئی بار وہ نفرت سے ٹھکرا چکی تھی اور جسے باپ سے کہہ کر اس نے نوکری سے نکال دیا تھا، محض اس جرم میں کہ وہ ایک بار دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس سے اظہارِ محبت کر بیٹھا تھا۔ پروین نے اسے اپنی توہین سمجھا تھا کہ ایک معمولی کلرک اس سے محبت کرنے کا دعویٰ کرے۔ مگر آج اسے خود اپنی زندگی ایک توہین معلوم ہو رہی تھی۔ ایک ایسی توہین جس کا کفارہ ادا نہ ہو سکے۔ آج انیس بھی ضرور اس سے نفرت کرنے لگا ہوگا، کیونکہ وہ اپنا سب کچھ گنوا چکی تھی۔ اسے آج اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ اگر عورت کی آبرو لٹ جائے تو پھر وہ کہیں کی نہیں رہتی۔

''آپ بالکل چپ سی ہیں؟'' بالے نے اسے ٹوک دیا۔

''جی، جی نہیں تو۔'' وہ چونک کر بولی، لیکن اس کے لہجے کی مردنی اب بھی برقرار تھی۔

''جو کچھ ہوا ہے اس میں آپ کا تو کوئی قصور نہیں، پھر آپ اس طرح غم کرنے سے فائدہ؟'' بالے نے کہا۔

اس پر پروین نے سر جھکا لیا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں انھیں کہیں تفریح کرانے لے جاؤں؟'' بالے نے مسز ہرمز سے پوچھا۔

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔'' وہ بولیں۔

''چلیے، مس پروین، آپ کا دل بہل جائے گا۔'' بالے اٹھتے ہوئے بولا۔

پروین مرجھائی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ باہر کار کھڑی ہوئی تھی، جو بالے اپنے ایک دوست سے مانگ کر لایا تھا۔

وہ اسے لے کر کملا بائی پارک کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

شام کا وقت تھا، پارک میں کافی ہجوم تھا۔ پروین کچھ جھینپ بھی رہی تھی، اس لیے وہ اسے ساتھ لے کر ٹہلتا ہوا ایک سونے سے کنج کے سائے میں سبزے پر جا بیٹھا تھا۔ سامنے سے ٹہلنے، گزرنے والوں کی نظروں نے ایک آدھ بار انھیں دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے اپنے راستے گزر گئے۔

''نہ جانے یہ الّو کیا سمجھ رہے ہیں۔'' بالے نے سلسلۂ گفتگو چھڑتے ہوئے کہا۔

''جی۔'' وہ پھر اپنی سوچتے سوچتے چونک پڑی۔

''آپ کچھ سوچ رہی تھیں۔'' بالے نے پوچھا۔

''کچھ نہیں، میں یہ سوچ رہی تھی کہ یہ لوگ کتنے خوش ہیں۔''

''زندہ دل لوگ ہمیشہ خوش رہتے ہیں، وہ گئی گزری باتوں کا غم نہیں کیا کرتے۔'' بالے یہ کہہ کر اس کے چہرے کو تکنے لگا۔

''مجھ سے بھولا نہیں جاتا۔'' پروین نے جواب دیا۔

''آپ نے کبھی بھولنے کی کوشش ہی نہیں کی، ورنہ آدمی سب کچھ بھول جایا کرتے ہیں۔''

''آپ کی نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی۔'' وہ مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

کچھ دور ایک کیاری کے دوسری طرف ایک بنچ پر بیٹھے ہوئے دو آدمی انھیں گھور رہے تھے، لیکن بالے یا پروین نے اس طرف خیال بھی نہ کیا تھا۔

بالے بیٹھے بیٹھے سے کچھ عجیب سی نظروں سے گھورنے لگا، جیسے اس کی خوبصورتی کا جائزہ لے رہا ہو۔ وہ پھر جھینپ گئی۔

''ایسا کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''دیکھ رہا ہوں کہ آپ اس عالم میں بھی کتنی اچھی لگتی ہیں۔''

Akram Allahabadi

''شاید۔''پروین نے لمبی سی ٹھنڈی سانس کھینچ کر کہا۔

''میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔''بالے نے مسکرا کر اس کی ہتھیلی پر اپنی سگریٹ کی راکھ جھاڑ دی، لیکن اس کی اس شرارت کا بھی انداز کچھ ایسا تھا، جیسے بے خیال میں ہو گیا ہو۔

''اوہ۔''پروین کے منہ سے نکلا، مگر ہاتھ جھٹک کر اس نے دیکھا وہ جلا نہ تھا۔

''آپ نے تو میرا ہاتھ جلا دیا۔''وہ رفتہ رفتہ خوشگوار سے لہجے میں گفتگو تبدیل کرنے لگی۔

''میں نے دیکھا تھوڑی تھا، اچھا لیجیے آپ میرا ہاتھ جلا دیجیے۔''بالے نے جلتا ہوا سگریٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''میں بدلہ نہیں لیتی۔''وہ منہ بنا کر بولی۔شاید اسے سگریٹ کا دھواں اچھا نہیں لگ رہا تھا، کیونکہ عام طور پر پارسی لوگ سگریٹ سے نفرت کرتے ہیں۔

''شاید آپ نہیں چاہتیں کہ میں سگریٹ پیوں۔''

''دھواں میرے حلق میں جاتا ہے۔''

''تو یہ لیجیے۔''بالے نے یہ کہہ کر سگریٹ بجھا دی۔''آئسکریم کھایے گا؟''

''میرا دل نہیں چاہتا۔''

''میری خاطر۔''بالے رومانٹک موڈ پیدا کر کے پورا والینٹیو بن گیا۔اور وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

''آپ کی خوشی۔''بالے نے اسے یہ کہتے ہوئے پہلی بار شرماتے دیکھا۔

اس نے اشارے سے سامنے سے گزرنے والے ہاکر کو بلایا اور دو آئسکریم کے پیالے لے کر ان میں سے ایک پروین کے سامنے کر دیا، جسے پروین نے کچھ جھجکتے ہوئے ہاتھ میں سنبھال لیا۔

بالے کو ہر ایک سے بہت جلد بے تکلف ہو جانے میں مہارت حاصل تھی۔تھوڑی دیر میں یہ معلوم ہونے لگا جیسے پروین کی اور اس کی بہت پرانی دوستی تھی۔اور چند گھنٹے پہلے

مستقل اداسی اور گہری مایوسی میں ڈوبی رہنے والی پروین اب اس کے ساتھ پارک میں ہنس ہنس کر چہل قدمی کر رہی تھی۔ بالے کی گفتگو کا انداز بھی ایسے موقعوں پر اتنا دلچسپ ہو جاتا کہ سامنے والا کتنا ہی اداس کیوں نہ ہو، اسے قہقہے لگانے پڑ جاتے۔

اور ایک جگہ تو جب وہ بندر کے پنجرے کے سامنے رک کر خوں خوں کرتے ہوئے اسے دعوتِ مقابلہ دینے لگا تو اس کی اس سنجیدہ شرارت پر پروین کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا، کیونکہ بندر بھی اسی طرح جواب دے رہا تھا۔ اور کچھ دیر کیلیے وہ دونوں ایک جیسے ہو گئے۔

''مجھے جانوروں میں بندر سے عشق ہے۔ بڑا الو کا پٹھا ہوتا ہے۔ بس ہر چیز کی نقل۔'' بالے نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''اور آپ بھی تو وہی کر رہے تھے۔'' پروین ہنستے ہوئے بولی۔

''دیکھیے، یہ مذاق اچھا نہیں۔'' بالے نے بچوں کی طرح منہ بنا لیا۔ ''مجھے صرف میرا ایک سرکاری باپ ہی الو کہہ سکتا ہے، باقی کسی کیلیے اجازت کا قانون اب تک نہیں بنا ہے۔''

''تو میں نے آپ کو کب کہا تھا۔'' پروین منہ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ بالے نے اس پر بتیسی نکال دی۔

''میں تو یہی سمجھا تھا۔'' وہ مسخروں کی طرح ہنستے ہوئے بولا۔

''آپ واقعی بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔''

''بعض لوگ یہی کہتے ہیں، لیکن میں آج تک خود اس لفظ کے معنے نہیں سمجھ پایا۔'' بالے نے جواب دیا۔

''یعنی یہی کہ آپ کی باتیں بڑی مزیدار ہوتی ہیں۔''

''آپ انھیں کھا سکتی ہیں؟'' بالے نے برجستہ سوال کیا۔

''سن تو سکتی ہوں۔''

''کہاں تک؟''

Akram Allahabadi

''جہاں تک آپ بولتے رہیں گے۔'' وہ ہنس کر کہنے لگی۔

''دیکھیے، آپ گھبرا جائیں گی۔ میں ۲۵۰ میل فی گھنٹہ، آئی ایم ساری، ۲۵۰ فی منٹ بولتا ہوں اور میں نے سر ظفر اللہ خان کا ریکارڈ بریک کرنے کیلیے ایک چنڈوخانے میں مسلسل ۴۰ گھنٹے بولتے رہنے کی ریہرسل کی ہے۔'' بالے نے جواب دیا اور پروین پھر ہنس پڑی۔

''کیا خیال ہے، واپس چلا جائے؟'' بالے نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''چلیے۔'' وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلنے سے پہلے آپ سے ایک وعدہ لینا چاہتا ہوں۔'' بالے نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا۔ وہ اس پر سٹ پٹا سی گئی۔

''کہیے۔'' اس نے نظریں نیچے کر کے کہا۔

''اب آپ اداس نہیں رہیں گی اور ماضی کی تمام یادوں کو ایک خواب کی طرح بھول جائیں گی۔ کیونکہ انسان کیلیے ہر گزرا ہوا دن ایک خواب ہوا کرتا ہے۔'' بالے نے اس سے اقرار طلب کرنا چاہا۔

''میں کوشش کروں گی۔'' پروین نے وعدہ کیا۔

''نہیں آپ کو بھولنا ہی پڑے گا۔ زندگی اتنی معمولی چیز نہیں کہ اسے اس طرح غم کے ہاتھوں تباہ کر دیا جائے۔ اس دنیا میں تو انسان کو بڑی بڑی آفتوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور صحیح معنوں میں انسان وہی ہے جو ان آفتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے بھی ہنستا رہے۔'' بالے اسے حوصلہ دلانے لگا۔

''اچھا۔''

''تو اپنے وعدہ پر قائم رہیے گا۔'' وہ اس کے ساتھ پارک کے دروازے کی طرف چلتے ہوئے کہنے لگا۔

''اگر آپ مجھے اس طرح ہنساتے رہے تو میں ضرور رونا بھول جاؤں گی۔''

Akram Allahabadi

''ہنسانے کی فیس لگے گی۔''

''کیا؟''

''میں پھر کبھی بتاؤں گا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے باہر کھڑی ہوئی کار کا دروازہ کھول دیا۔

پروین کار میں بیٹھ گئی اور بالے اسٹیرنگ پر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔ مگر نہ جانے کیا ہوگیا کار کو کہ سیلف ہی نہ لگتا تھا۔ اس نے کئی بار سیلف اسٹارٹر کو دبایا، مگر گاڑی اسٹارٹ نہ ہوئی۔

''اس کمبخت کو بھی زکام ہوگیا شاید۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا گاڑی سے اترا اور بانٹ کھول کر انجن کو دیکھنے لگا۔ پلگ میں کرنٹ نہیں آرہا تھا۔ جہاں تک وہ جانتا تھا اس نے انجن کا معائنہ کر ڈالا، مگر بے سود۔ گاڑی اسٹارٹ نہ ہوئی۔

''خدا جانے اسے کیا ہوگیا ہے؟'' وہ دونوں ہاتھ جھٹک کر بولا۔ اتنے میں ان کے سامنے خالی ٹیکسی گزرنے لگی۔

''ٹیکسی۔'' بالے نے آواز دی۔ اور ٹیکسی والے نے سست رفتار ہوتے ہوئے بھی اس کی آواز نہیں سنی۔ بالے نے جب دوبارہ آواز دی تب اس نے چونک کر گاڑی روکی۔

''چلیے پہلے آپ کو گھر چھوڑ دوں، پھر اس بیمارِ غم کا علاج کروں گا'' وہ ٹیکسی کی طرف چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے پروین سے بولا۔ پروین اس گاڑی سے اتر کر ٹیکسی میں بیٹھ گئی اور بالے بھی پچھلی نشست پر اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''بیرن روڈ۔'' بالے نے ڈرائیور کو بتایا۔ اور اس نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔

☆☆☆☆☆☆

''مجھے تو یہ کسی کی شرارت معلوم ہورہی ہے۔'' گاڑی میں بیٹھتے بیٹھتے بالے نے

پروین سے کہا۔

''کیوں؟'' پروین نے پوچھا۔

''ہوسکتا ہے صرف ہمیں پریشان کرنے کیلیے ۔ ویسے ہمیں احتیاط برتنی چاہیے۔'' اس نے کہا۔اس کے ان جملوں پر پروین کچھ خوفزدہ سی ہوگئی۔

''ڈرنے کی کوئی بات نہیں، میں جو ساتھ ہوں۔میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔'' اس نے کہا۔گاڑی اب شہر کے مغربی علاقے کی اس سونی سڑک سے گزر رہی تھی جو گرین برج اور پارک کے درمیان پڑی تھی۔اچانک ڈرائیور نے گاڑی کو زور سے بریک مارا اور جھونک میں پروین بالے پر گر پڑی۔بالے بھی اوندھا گرتے گرتے بچا۔ پہلے چند سیکنڈ تک تو وپروین کے سینے کی لمس سے غیر شعوری طور پر پیہدا ہونے والی سنسنی کی گرفت میں رہا، لیکن پھر فوراً ہی چونک پڑا۔بیچ سڑک پر کوئی آدمی بیہوش پڑا تھا جس کی وجہ سے ٹیکسی کو اچانک رکنا پڑا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' بالے نے ڈرائیور سے پوچھا۔

''پتہ نہیں کون سڑک پر پڑا ہوا ہے۔'' وہ یہ کہہ کر دروازہ کھول کر اسے دیکھنے کیلیے نیچے اتر گیا۔بالے بھی نیچے اتر آیا اور بیہوش آدمی کو پلٹ کر کسی قدر جھک کر اسے دیکھنے لگا۔ پروین کار میں خوفزدہ سی بیٹھی تھی۔

اچانک اس بیہوش آدمی نے اچھل کر بالے کی گردن تھام لی۔بالے سڑک پر گر پڑا اور اتنی دیر میں ٹیکسی ڈرائیور دوڑ کر اپنی ٹیکسی میں بیٹھ چکا تھا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' پروین نے سہمی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''بڑا خطرناک جھگڑا، یہاں سے بھاگ چلیے میں آپ کو گھر پہنچا دوں گا۔'' اس نے اتنی گھبراہٹ میں یہ الفاظ کہے کہ پروین کچھ نہ سمجھ سکی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔وہ اپنی ٹیکسی کو تیز رفتاری سے ان دونوں کے قریب سے نکال کر بھاگا۔

Akram Allahabadi

بالے کی گردن پر حملہ آور کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہونے لگا۔سڑک اب تک بالکل سونی تھی۔وہ ٹیکسی کافی آگے نکل گئی اور بالے شور تک نہ مچا سکا۔بڑی کوشش سے وہ اس کے ایک ہاتھ کی گرفت کچھ ڈھیلی کر پایا۔اس کے ساتھ ہی اس نے پوری طاقت سے اس کے دونوں ہاتھوں کی کلائیاں پکڑ کر ایسا جھٹکا دیا کہ اس کی گردن اس گرفت سے آزاد ہوگئی اور دوسرے لمحے ہی بالے کا بھرپور گھونسہ اس کی ناک پر پڑا۔وہ سنبھل نہ سکا اور زمین پر اوندھا آگرا۔اسے غصہ آگیا۔اس نے بھرتی سے کروٹ بدل کر بیٹھے ہوئے ایک زور کی ٹھوکر اس آدمی کے جبڑے پر ایسی ماری کہ وہ تڑپنے لگا۔اوپر سے بالے نے پانچ چھ بھرپور گھونسے اور جڑ دیے اور وہ تقریباً بے جان ہوگیا۔

بالے نے اسی وقت جیب سے وسل نکال کر بجانی شروع کردی۔اس سونے سے ماحول میں سیٹی کی آواز فضا میں دور دور تک پھیل گئی۔اور دو منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ انھیں سامنے کی طرف سے ایک پولیس جیپ تیزی سے اسی طرف آتی نظر آئی۔اس میں پولیس کا ایک سارجنٹ اور دو سپاہی تھے۔وہ بالے کے قریب آکر رک گئے۔سارجنٹ بالے کو سلام کرکے وجہ پوچھنے لگا۔

''آپ سنبھالیے، اور گاڑی ذرا مجھے دیجیے، ورنہ وہ اس لڑکی کو لے کر غائب ہوجائے گا۔'' بالے یہ کہتا ہوا جیپ کار میں بیٹھ گیا اور سارجنٹ نے اس آدمی کی مشکیں باندھ لیں۔

بالے ایک کانسٹیبل اور جیپ کار کو لے کر پوری رفتار سے اسی طرف دوڑ پڑا جدھر وہ ٹیکسی گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

آگے آبادی کا گھنا حصہ آگیا تھا جس کے درمیان سے مغرب و مشرق اور شمال و

جنوب کو چار راستے تھے۔ چوراہے پر ٹریفک پولیس کے علاوہ ایک طرف شیڈ میں انسدادِ غنڈہ گردی والا تین مسلح کانسٹیبلوں کا ایک پکٹ بھی بیٹھا ہوا تھا۔ سارجنٹ کی پولیس جیپ کا رد یکھ کر وہ لوٹ پٹا گئے۔ بالے نے کار ٹریفک پولیس والے کے پاس روک کر اس سے پوچھا

''ابھی کوئی تیز رفتار ٹیکسی ادھر سے گئی ہے؟''

''ٹیکسی، جی ہاں۔ دوسری طرف کی گاڑیوں کو راستہ دیتے ہوئے میں نے اسے ٹھہرنے کیلیے سگنل دیا تھا، اس پر بھی اس کا ڈرائیور اسے لے بھاگا۔ میں نے اس کا نمبر نوٹ کرلیا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''کیا نمبر ہے اس کا؟'' بالے نے جلدی سے پوچھا۔

''بی ایم ٹی ۱۰۹۱۱۔'' کانسٹیبل نے اپنی نوٹ بک میں دیکھ کر بتایا۔

''کدھر گئی ہے؟''

''ادھر، ہرولی ناکے کی طرف۔'' کانسٹیبل نے اشارے سے بتایا۔

''خیر، اپنی ڈیوٹی دو۔'' یہ کہہ کر بالے نے کار کا رخ اس کی بتائی ہوئی سڑک کی طرف موڑ دیا۔

اس کی جیپ کا رہوا کے کندھوں پر اڑنے لگی۔ اچانک اسے یاد آ گیا کہ گاڑی میں وائرلیس نصب ہے، پھر کیوں نہ اس سے کام لیا جائے۔ ایک ہاتھ سے اسے آپریٹ کرتے ہوئے اس نے ماؤتھ پیس اٹھالیا اور پولیس ہیڈ کوارٹرز کو کال کرنے لگا۔

''پولیس ایچ کیو، اٹینشن پلیز، اوور۔ پی ایچ کیو، اٹینشن پلیز، اوور۔ سارجنٹ بالے کالنگ، اوور۔''

''جی ایچ کیو اٹنڈنگ، اوور، پی ایچ کیو ہیر، اسپیک سارجنٹ، اوور۔'' ادھر سے جواب ملا۔

''ٹیکسی بی ایم ٹی ۱۰۹۱۱ ایٹ لارج، اوور۔ کڈمپنگ اے گر، اوور۔ پی ایچ کیو، اٹنڈ

پلیز،اوور۔"

"رپورٹ ایریا پلیز،اوور۔"ہیڈ کوارٹرز کے رائٹر نے پوچھا۔

"گرین برج اور کملا بائی پارک کے درمیان،اوور۔گاڑی اسے لے کر بروٹی ناکے کی طرف گئی ہے،اوور۔سپرنٹنڈنٹ خان صاحب جہاں بھی ہوں،ان کو اطلاع دیدیجیے کہ ہرمزجی کی لڑکی پروین کو دھوکے سے اغوا کیا گیا ہے،اوور۔"

"آپ تعاقب کر رہے ہیں؟اوور۔"

"ہاں،میں پیچھا کر رہا ہوں،اوور،لیکن آل اٹینشنز الرٹ کال ضروری ہے،اوور۔ لڑکی کی جان کو خطرہ ہے،اوور۔"

"ہم تمام اسٹیشنوں کو کال کر رہے ہیں،اوور۔"

اس کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہوگیا اور بالے نے گاڑی کی رفتار اور تیز کر دی۔تھوڑی ہی دیر میں شہر کے تمام سرحدی علاقوں،پولیس اسٹیشنوں،چوکیوں اور وائرلیس والی پٹرولنگ گاڑیوں تک ہیڈ کوارٹرز کا آل الرٹ کال نشر ہونے لگا۔

"پولیس اسٹیشن پلیز،ایچ کیو کالنگ،پولیس اسٹیشن پلیز۔"

اور ہر حلقے میں پولیس کے کان کھڑے ہو گئے۔

تمام شہر میں پولیس حرکت میں نظر آنے لگی اور سڑکوں اور ناکوں پر ٹیکسیاں چیک کی جانے لگیں۔ تھوڑی ہی دیر میں ہر طرف سنسنی پھیل گئی،لیکن تقریباً نصف گھنٹے تک کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔بالے کو بیرونی ناکے پر پتہ چلا کہ ایک ٹیکسی ابھی کچھ دیر پہلے بڑی تیز رفتار سے یہاں سے گزری ہے۔

اور بالے بھی یہاں نہ رک سکا،وہ بروٹی سے سیدھا پاکر روڈ کی طرف چل دیا جس طرف کو چوراہے کے کانسٹیبل کے بیان کے مطابق وہ ٹیکسی گئی تھی۔اسے امید کم تھی کہ اب وہ اس ٹیکسی کو پا سکے گا،پھر بھی وہ کوئی کوشش اٹھا نہ رکھنا چاہتا تھا۔اسے یقین تھا کہ وہ ٹیکسی ضرور

اسی طرف گئی ہے اور اس کا یہ یقین صحیح نکلا، جب اچانک اسے وائرلیس پر ایسٹ وی بی زون کی سرحدی چوکی کا میسیج ملا۔ جب سے صوبے میں ممنوعہ اشیاء کی ناجائز نقل وحرکت زوروں پر تھی تب ہی سے اہم سرحدی چوکیوں پر پولیس اور کسٹم کے مشترک اسکواڈ بٹھادیے گئے تھے، جن کے پاس وائرلیس کمیونیکیٹر موجود تھے۔ میسیج میں کہا گیا تھا کہ اس نمبر کی ایک گاڑی سرحد پر روک لی گئی ہے، فوراً پہنچیے۔

بالے نے گاڑی کی رفتار اور تیز کردی اور چوکی تک پہنچنے میں اسے زیادہ دیر بھی نہ لگتی، لیکن راستے میں ایک عجیب اتفاق پیش آ گیا۔

بیچ و بیچ سڑک پر کسی کی لاش پڑی دیکھ کر اسے کار روکنی پڑی۔

''لاحول ولاقوۃ، کیس پر کیس۔'' وہ بڑبڑایا۔ اور جیپ سے پستول نکال کر ہاتھ میں لیتے ہوئے گاڑی سے اتر گیا۔ اس نے چاروں طرف احتیاط سے نظریں دوڑاتے ہوئے اس لاش کی طرف قدم بڑھائے۔ اس پر ایک سفید سا کپڑا اوڑھا دیا گیا تھا۔ وہ اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ پھر اس نے حفظِ ماتقدم کیلیے اپنے پیر سے اسے ٹھوکر ماری، لیکن وہ چونک پڑا۔ یہ لاش تو لکڑی کی طرح سخت تھی۔ اس نے اس سفید چادر کا سرا پکڑ کر الٹ دیا۔ نیچے لکڑی کا ایک پانچ فٹ لمبا لٹھا پڑا ہوا تھا۔

''دھت تری کی، سالے مذاق بھی فرماتے ہیں۔ عجب ستم ظریف ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے اس لٹھے کو کنارے کی طرف لڑھکا دیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا پھر اپنی جیپ کار میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی۔ اس رکاوٹ نے اس کے چھ منٹ ضائع کردیے تھے۔

جس وقت وہ ویسٹ ڈویژن کی چوکی پر پہنچا تو اسے وہ ٹیکسی چوکی کے باہر ہی کھڑی نظر آئی، وہ خوش ہوگیا کہ اس کی کوشش کامیاب رہی۔ گاڑی روک کر وہ سیدھا چوکی میں گھس گیا۔ یہاں ایک سب انسپکٹر، ایک حوالدار اور کسٹم کے دو آدمی بیٹھے خوش گپیاں کر رہے

تھے۔اس نے سوچا ممکن ہے اس ڈرائیور اور پروین کو ان لوگوں نے بند کر دیا ہو۔وہ بالے کو دیکھ کر چونک پڑے، سب انسپکٹر اسے پہچانتا تھا۔

''بالے صاحب، آپ نے تھوڑی سی دیر کر دی۔انسپکٹر ماتھر ابھی ابھی ان دونوں کو لیکر پولیس ہیڈ کوارٹرز گئے ہیں۔''اس نے بتایا۔

''انسپکٹر ماتھر؟''بالے چونکا۔

''یہی نام بتایا تھا انھوں نے، مسٹر سہیل؟''سب انسپکٹر نے ساتھ والے کسٹم کلرک سے پوچھا۔

''داروغہ جی، آج ضرور آپ نے تھوڑی سی شوق فرمائی ہے۔''بالے نے جھنجلاتے ہوئے سے لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب؟''سب انسپکٹر سنجیدہ ہو گیا۔

''اس نام کا کوئی آفیسر سٹی پولیس میں نہیں ہے اور شاید مضافات میں بھی نہیں۔''بالے نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ارے، مگر ان کے ساتھ دو کانسٹیبل بھی تھے، سی پی ایس کے۔''

''لاحول ولاقوۃ۔آپ نے تو سارا کام ہی بگاڑ دیا۔''بالے پیر پٹکتا ہوا باہر نکل گیا۔

''مگر سنیے تو۔''

''سنوں کیا خاک، سارا معاملہ ہی چوپٹ ہو گیا ہے۔''وہ بڑبڑاتا ہوا اپنی کار میں آ بیٹھا اور پلٹا کر پولیس ہیڈ کوارٹرز کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

اس کا خیال صحیح نکلا، وہ نامعلوم مجرم پولیس کو کامیابی سے دھوکا دے کر نکل گئے تھے اور بالے کا سر گھوم رہا تھا کہ اب وہ سپرنٹنڈنٹ خان اور مسز ہرمز جی کو کیا جواب دے گا۔نفسیاتی

علاج کا باپ بن کر خود ہی تو وہ اسے کملا بائی پارک لے گیا تھا۔اس کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔یہ دہری بلا گلے پڑ گئی تھی۔ایک تو جبریہ عشق فرمانا، دوسرے اس کی گمشدگی کی ذمے داری۔اسے صرف ایک ہی صورت نظر آ رہی تھی کہ کسی طرح سپرنٹنڈنٹ خان کو ڈھونڈ کر ان سے سب کچھ بتا دے اور سپرنٹنڈنٹ خان کا کہیں پتہ نہ تھا۔نہ جانے وہ کس دھن میں کہاں کھویا ہوا تھا۔پارک پر چھوڑی ہوئی کار منگالی گئی تھی۔اس میں صرف سادا ڈفلکٹ پایا گیا کہ کسی نے اس کے روٹر کے نیچے کاغذ کا ایک ذرا سا پرزہ رکھ دیا تھا جس کی وجہ سے کرنٹ پاس نہ ہوتا تھا۔ اور محض اتنی سی چیز نے اتنی بڑی واردات کرا دی تھی۔

خان تو غائب تھا ہی، مگر اسرار اور ڈیسوزا کا بھی پتہ نہ تھا۔صرف رؤف، سی آئی ڈی، آفس کے کینٹین میں کسی ملاقات کیلیے آئے ہوئے دوست کے سامنے بیٹھا ہوا اپنی جغادری مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم وہ لوگ کہاں ہیں۔''رؤف نے ٹیڑھے پن سے جواب دیا۔

''ابے او گاما پہلوان، مجھ سے اس طرح بات کی تو دونوں مونچھیں اکھاڑ کر گھاس لگا دوں گا ان کی جگہ۔''بالے بگڑ گیا۔

''ارے، تو میں کیا جیب میں جامِ جہاں نما لیے پھرتا ہوں جو بتا دوں کہ اس وقت کون کہاں ہے۔''رؤف نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''حرام کی کھاتے ہو، حرام کی۔''بالے بڑبڑاتا ہوا باہر نکل آیا۔

''کیا ہے، بالے؟''اسے ڈپٹی کمشنر پاٹل کی آواز سنائی دی۔اس کے قدم آپ سے آپ اٹینشن ہو گئے۔ڈی سی پی اپنی چھوٹی سیاہ کار لیے آفس کے باہر ہی کھڑا تھا۔

''جی کچھ نہیں، میں خان صاحب کے بارے میں معلوم کر رہا تھا۔''بالے نے سلامی دیتے ہوئے جواب دیا۔

''بھئی آج کل وہ ضرور بری طرح اس کیس میں پھنسے ہوئے ہیں۔''

''کون سے کیس میں؟'' بالے نے مؤدب رہ کر پوچھا۔

''وہی سرخ آتشی دائرے والا۔'' ڈی سی پی نے کہا۔ ''تمہیں کچھ معلوم ہے اس کے بارے میں؟''

''میرا تو خیال ہے کہ وہ مریخ سے بمبئی پر حملہ کیا گیا ہے۔'' بالے گھبراہٹ میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

''ہشت، الّو۔'' ڈی سی پی نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''وہ بھی یہی کہتے ہیں سر۔''

''کون؟''

''خان صاحب۔''

''یعنی کہ 'ہشت الّو'۔'' بالے بچوں کی طرح معصوم صورت بنا کر بولا۔ اور ڈی سی پی ہنس پڑا۔

''گھبراؤ نہیں، میں سفارش کردوں گا کہ تمہیں کسی چلڈرنس ہوم میں ڈال دیا جائے۔'' یہ کہہ کر باٹلے نے گاڑی آگے بڑھادی اور بالے اٹینشن میں کھڑا رہ گیا۔ وہ اپنے بڑے افسروں سے جان بوجھ کر اس قسم کی باتیں کرتا تھا، لیکن اس کی یہ حرکتیں کسی کو بھی ناپسند نہ تھیں۔ سب اس میں دلچسپی لیتے تھے اور کبھی کبھی تو خود ڈی آئی جی بھی اسے چھیڑ دیا کرتے۔

☆☆☆☆☆☆

شہر سے دور داسنا کے چھوٹے سے ہوٹل میں بڑی دیر سے ایک بڑی بڑی مونچھوں والا تنومند آدمی ایک ٹیبل پر اکیلا بیٹھا کسی کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اس کا حلیہ اور اس کے انداز اسے کافی خوفناک ظاہر کرتے تھے، اس لیے ہوٹل والے کی بھی ہمت نہ پڑتی تھی کہ اسے کچھ کہے۔ یہ ہوٹل ایک تاریک سی گلی میں مزدوروں کی آبادی کے سرے پر واقع تھا۔

Akram Allahabadi

ہوٹل کی پرانی قلعی والی دیوار پر لگے ہوئے پرانے سے لمبوترے کلاک نے جیسے ہی ۱۱ کے گھنٹے بجانے شروع کیے، ویسے ہی ہوٹل کے دروازے میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

میز پر بیٹھے ہوئے آدمی نے سر اٹھا کر دیکھا، لمبے اوورکوٹ میں ملبوس ایک اوسط قد و قامت کا آدمی، جس کے چہرے کا زیادہ تر حصہ فلیٹ ہیٹ اور کوٹ کے کالروں سے ڈھکا ہوا تھا، دروازے میں کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کاؤنٹر پر ہوٹل کا سوا روپے کا بل چکاتا ہوا باہر نکل آیا۔ نو آورد بھی اندر آنے کی بجائے پلٹ کر اس کے پیچھے ہو لیا۔ ہوٹل سے نکل کر وہ اس تاریک گلی میں چلنے لگے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے محتاط معلوم ہوتے تھے، ان کے ہاتھ ان کی جیبوں میں تھے۔ وہ پیچھے والا آدمی آگے بڑھ کر قریب آ گیا تھا۔

''میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، تمہیں کیا کہنا ہے کہو۔'' اس نے آہستہ سے اس سے کہا۔

''دس ہزار۔''

''بہت ہیں۔''

''وہ راز اس سے زیادہ قیمتی ہے۔''

''ہونہہ، اسے کوئی ثابت نہیں کر سکتا۔ میرا باس کچی گولیاں نہیں کھیلتا۔'' اوورکوٹ والے نے جواب دی۔

''میں نے ایسے بہت سے باسوں کو انگلیوں پر نچایا ہے، مجھے ثبوت اور عدم ثبوت سے غرض نہیں۔'' بڑی مونچھوں والا بولا۔

''ہم چاہیں تو ویسے بھی حاصل کر سکتے ہیں۔'' ''خواب دیکھتے ہو، مان سنگھ اس کے بچے کا نام نہیں جسے گیدڑ بھبکیوں سے رعوب کیا جا سکے۔'' بڑی مونچھوں والا ترش لہجے میں بولا۔

Akram Allahabadi

''مجھے صرف بات کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ورنہ تمہیں جواب دیتا اس کا۔''

''اور میں اس وقت صرف بزنس کے موڈ میں ہوں، ورنہ تم اتنی بات بھی نہ کر پاتے۔''

اسی نوک جھونک میں وہ تنگ گلی کو عبور کر کے ایک گندے نالے کے پل پر نکل آئے۔

یہاں تاریکی اور گہری تھی اور یہ بالکل سونی جگہ تھی۔

''ہمیں معاملات طے کر لینا چاہئیں، وقت کم ہے۔''

''میں بنیا نہیں ہوں جو کم وبیش کروں، بس دس ہزار۔''

''خیر، کب لاؤ گے اسے؟''

''کل، اسی وقت، اسی جگہ۔''

''کسی بھی فریب کا انجام موت ہوگا۔''

''یہی تم اپنے لیے بھی سوچ رکھو۔''

''تو منظور۔'' یہ کہتا ہوا اوورکوٹ والا سایہ قدم اٹھاتا پل سے اتر کر تاریکی میں غائب ہوا یا اور دوسرا جیب سے سگریٹ نکال کر اسے جلدی سے جلاتے ہوئے اسی گلی کے راستے واپس لوٹنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

''چہ خوش، یعنی کہ آپ کو پکنک کی سوجھی ہے اور اندھیری شہر، آئی ایم ساری، شہار میں اندھیر ہو رہا ہے۔'' بالے نے بزرگانہ انداز سے سپرنٹنڈنٹ خان کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

''خبیث، تم چپ رہو، تمہاری ہڈیوں کا تو مجھے سرمہ بنانا ہے۔ گئے تھے بیچارے کملا بائی پارک میں رومان فرمانے۔

''اوخدا،تو نے بھی کیسے کیسے پولیس آفیسر پیدا کیے ہیں،خود ہی مجھ سے زبردستی کا عشق کرایااور خود ہی...''

''چپ بیٹھو،خدا پولیس والوں کی نہیں سنتا ہے۔''خان نے اسے ڈانٹ دیا۔

''تو اے وزیر قانون،تم ہی انصاف کرو۔''وہ وزیرِ قانون کو غالباً مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

''لیکن تلے گاؤں کی طرف تو پکنک کا کوئی خاص مقام نہیں،اجاڑ سے جنگل ہیں،یا گھاس کے میدان۔''اسرار نے خان سے پوچھا۔

''مجھے ایسی ہی جگہیں پسند ہیں۔''خان نے بات مختصر کردی۔

''جیسی آپ کی مرضی۔''

''میں جانتو ہوں،آپ وہاں کیوں جارہے ہیں۔''بالے پھر بول پڑا۔

''کیوں؟''

''وہاں سے...لوا ول...''بالے نے کہنا چاہا،مگر خان کو گھورتے دیکھ کر دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ بند کرلیا۔دوسروں کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھر کر غائب ہوگئی۔

''کل ہم سویرے ہی یہاں سے نکل چلیں گے،لیکن اس طرح نہیں،تم میں سے ہر ایک کو میک اپ کرنا پڑے گا۔''خان نے اٹھتے ہوئے بتایا۔

''کیوں،کیا کوئی ناٹک کھیلنا ہے وہاں؟''بالے نے پوچھا۔

''ہاں،اور اس میں تمہیں بندر کا ناچ نچایا جائے گا۔''خان نے کہا۔

''یہ تو میرا مرغوب مشغلہ ہے۔''بالے بولا۔

''کیوں نہ ہو،پیدائشی ہی ٹیڑھی ہے۔''اسرار نے مداخلت کی۔

''اواخروٹ۔''بالے اس پر بگڑ گیا،مگر خان ان کی باتوں پر توجہ بھی نہ دی،وہ اندر کے کمرے میں چلا گیا۔

Akram Allahabadi

اس نے اپنی لائبریری سے ہنری فورڈ کی ایک 'اوٹو بپین' تصنیف 'دی ڈیز ٹو کم' نکال کر دیکھنی شروع کر دی۔ وہ اسے گزشتہ دو تین دنوں سے دیکھ رہا تھا، لیکن اس قدر وقت ہی نہ پا سکا تھا کہ ختم کر لیتا۔ بمشکل پانچ ہی منٹ بعد ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے آرام کرسی پر پڑے پیر سے فون کی تپائی اپنے قریب کھینچ لی۔

''ہیلو۔'' وہ رسیور اٹھا کر بولا۔

''میں ابراہیم بول رہا ہوں، صاحب۔'' ادھر سے آواز آئی۔

''ہاں ہاں، بولو۔''

''ڈاکٹر گڈکر شام کو کلب جا رہا ہے۔ ابھی ابھی ٹیلیفون پر اس نے کسی سے وہاں ملنے کا وعدہ کیا ہے۔''

''کتنے بجے؟'' خان نے پوچھا۔

''ساڑھے ۷ بجے۔''

''اور کوئی خاص بات ہے؟''

''آج وہ ڈرائیور بھی اپنی اسٹیل باڈی ٹرک باہر کھڑا کر کے اندر آیا تھا۔ اس کے علاوہ میں نے ایک اور اوسط قد کے آدمی کو لنچ کے دوران ڈاکٹر سے ملنے آتے دیکھا ہے۔ اس کے چہرے پر ایک لمبی سی خراش کا نشان ہے۔''

''ڈاکٹر کہیں گیا تھا؟''

''ابھی تو وہ اسپتال سے ہی لنچ کے لیے آیا تھا اور اب شاید وہیں جا رہا ہے۔''

''اس کے گھر میں کتنے آدمی ہیں؟''

''بہت تنہائی پسند معلوم ہوتا ہے۔ صرف ایک مالی اور دو نوکر، ایک باورچی ہیں۔'' ابراہیم نے جواب دیا۔

''اس کے گھر کا سرسری خاکہ بنا کر ساتھ لاؤ۔'' خان نے اسے ہدایت کی۔

Akram Allahabadi

''کہاں؟''

''میں بارہ بجے پولیس ہیڈ کوارٹرز میں ملوں گا۔''

''بہت خوب۔''

''اچھا شاباش، اب اپنا کام کرو۔'' یہ کہہ کر خان نے رسیور رکھ دیا اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

گلف کلب شہر کے اس علاقے میں واقع تھا جہاں زیادہ تر خوش حال اور مغرب زدہ سوسائٹی کے لوگ رہتے تھے۔ اور یہ ان کی ہی تفریح تھی اور عام آدمیوں کو ایسے کھیلوں سے کیا دلچسپی۔ کلب کے باہر سڑک کے کنارے ایک کیلے بیچنے والا اپنا ٹھیلہ روز لے کر کھڑا رہا کرتا تھا، لیکن آج شاید وہ خود نہیں آ سکا تھا، اس کی جگہ کوئی دوسرا آدمی تھا۔ اس جگہ سڑک پر کافی چوڑی تھی اور آگے جا کر گھومتی ہوئی کئی کئی منزل کی دو طرفہ عمارتوں کے درمیان اور پتلی ہو گئی تھی۔ ادھر زیادہ تر سناٹا ہی رہتا، کیونکہ یہاں صرف رہائشی مکانات تھے، یا دو چار بڑے بڑے ہوٹل، جن میں شام سے چہل پہل شروع ہوتی اور رات کو دس گیارہ بجے تک دھما چوکڑی مچتی۔ کلب کے باہر سڑک کے کنارے کئی کاریں کھڑی ہوئی تھیں اور دروازے پر دربان بیٹھا دیر سے اونگھ رہا تھا، حالانکہ ابھی ۷ سوا ۷ ہی بجے تھے۔

دروازے کے سامنے رکنے والی ایک گہرے کتھئی رنگ کی کار کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ اٹینشن ہو کر کھڑا ہو گیا۔ کار سے اترنے والا ڈاکٹر گڈکر تھا۔ اس کے ساتھ ایک خوبصورت خد و خال والی ادھیڑ عمر عورت تھی، جس نے سفید ساڑھی پہن رکھی تھی۔ سڑک کی دوسری سمت ایک دوسری کار سب سے علیحدہ کھڑی تھی اور اس میں بیٹھا ہوا ڈرائیور اونگھتے اونگھتے کار کی کھڑکی پر سر رکھ کر سو گیا تھا۔ کیلے والا ڈاکٹر کو کار سے اتر کر اندر داخل ہوتے دیکھتے

ہی چلایا۔

''چار آنے درجن، دو درجن آٹھ آنے، کیلے۔ لے لے بھئی، لے لے بھئی، لے لے۔''

اس کار میں اونگھتا ہوا ڈرائیور چونک پڑا۔ اس نے ڈیش بورڈ میں لگا ہوا ایک سوئچ آن کر دیا۔ تقریباً ۵ منٹ بعد ڈیش بورڈ سے ایک گونج سی پیدا ہوئی اور کسی کی مدھم سی آواز سنائی دی۔

''سی پی ایس، اٹینڈ پلیز، بی بی ایل کالنگ اوور سی بی ایس اٹنڈ پلیز، بی بی ایس کالنگ اوور۔''

''یس، کم ان۔'' کار وو لے نے ڈیش بورڈ کے قریب منہ لا کر کہا۔

''ڈاکٹر ایک ادھیڑ عمر عورت کے ساتھ اوپری منزل پر گیا ہے، اوور۔''

''آگاہ کرو۔'' ڈرائیور بولا۔

''یس سر۔'' ادھر سے جواب ملا۔

آواز پھر معدوم ہو گئی اور ڈرائیور جیب سے ایک چمک دار سگریٹ کیس نکال کر اس میں سے سگریٹ نکال کر جلانے لگا۔

''چار آنے کیلے، چار آنے کیلے۔'' کیلے والے کی آوازیں پھر آنے لگیں۔

علیحدہ کھڑی ہوئی کار کا ڈرائیور اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی بڑی سوئی نے گھوم کر ۶ پر پہنچتے ہوئے ساڑھے ۷ بجائے، کیلے والا پھر آواز لگانے لگا۔

''لے لے بھئی، لے لے، چار آنے درجن، چار آنے کیلے۔ لے لے بھئی، لے لے۔''

''الرٹ بی بی ایل۔'' کار ڈرائیور نے سوئچ آن کر کے کال کیا۔ ''الرٹ بی بی ایل سی، بی ایس کالنگ، اوور۔''

''بی بیک ایل ہیر، سر۔اوور۔''

''کوئی اور اندر آرہا ہے،اوور۔'' یہ کہہ کر اس نے پھر سلسلۂ گفتگو منقطع کر دیا۔اس کے بعد دیر تک کوئی میسیج نہیں ملا۔وہ کیلے والا بھی کبھی کیلے چار آنے درجن کی آواز لگانے لگتا اور پھر خاموش ہو جاتا۔کلب کے دربان کو اس نے پہلے ہی چار چھ کیلے کھلا دیے تھے،اس لیے اس نے کلب کے قریب ٹھیلا کھڑا کر کے شور کرنے پر کوئی اعتراض بھی نہیں کیا۔

کوئی بیس ۲۵ منٹ کے بعد اچانک اس کار کے ڈیش بورڈ میں گونج پیدا ہوئی۔

''ہیلو، سی بی ایس، بی بی ایل کالنگ۔''

''لیس اٹنڈنگ۔'' ڈرائیور نے ڈیش بورڈ پر جھک کر کہا۔

''وہ آدمی ڈاکٹر سے مل کر باہر آرہا ہے،اوور۔ڈاکٹر بھی جانے کیلیے تیار معلوم ہوتا ہے، اوور۔ڈاکٹر اسے دیکھ کر ایک علیحدہ کمرے میں آگیا تھا وہاں انھوں نے باتیں کیں، اوور۔''

''اور وہ عورت؟''

''وہ ڈاکٹر کی چوکیداری کر رہی تھی، تاکہ کوئی ادھر جانے نہ پائے،اوور۔''

''کیا گفتگو ہوئی، کچھ اندازہ ہے؟''

''وہ بہت آہستہ بول رہے تھے، کمرے کے روشندان سے میں ٹھیک سن نہیں سکا، اوور، لیکن صرف ایک جملہ پلے پڑا ہے،اوور۔

''کیا؟''

''سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔'' ادھر سے جواب ملا۔

''اچھا تو پھر سمجھ لو کہ سانپ نہ مرے اور لاٹھی ٹوٹے،اوور۔اور ہاں، تم ڈاکٹر گڈکر پر نظر رکھو، بلکہ اس کا پیچھا کرو اور دوسرے کو ہم سمجھ لیں گے،اوور۔'' کار ڈرائیور نے جواب دیا اور اس کے ساتھ پھر سلسلہ گفتگو ختم ہو گیا۔

Akram Allahabadi

کیلے والا پھر چلایا۔

''لے لے بھئی، لے لے، چار آنے کے درجن کیلے، جاتے جاتے لے لے۔''

کار کے ڈرائیور نے گردن گھما کر دیکھا وہی آدمی کلب سے باہر نکل کر سڑک پار کر رہا تھا۔اس نے گھٹنوں سے نیچے اوورکوٹ پہن رکھا تھا اور سر پر فیلٹ ہیٹ تھی۔

''شش شش۔'' کار ڈرائیور نے کیلے والے کو بلایا۔وہ ہاتھ میں کیلے کی ایک گٹھری لے کر قریب آ گیا۔

''بنا سپتی کیلے ہیں، صاحب، پھر نہ ملیں گے ایسے۔ایک درجن لے لیجیے۔'' وہ قریب آتے ہی بڑبڑانے لگا۔

''اکو، جلدی سے ٹھیلہ گلی میں لے جا کر چھوڑ کسی کے سر، اور پیچھا کر واس کا۔'' کار والے نے اسے حکم دیا۔

''نہیں، صاحب، چار آنے سے ایک پیسہ کم نہیں ہوگا، صاحب۔ہم اپنے بال بچوں کو کیا کھلائے گا، صاحب۔''

وہ دائیں بائیں دیکھ کر بولا۔''ڈاکٹر تو اندر ہے۔'' اس نے آہستہ سے کار ڈرائیور سے کہا۔

''اس کیلیے بالے کافی ہے۔''

''لیکن وہ اگر کسی گاڑی میں بیٹھ گیا تو؟''

''تم ٹیکسی پکڑ لینا۔'' ڈرائیور نے اسے ہدایت کی۔

''تم کو لینے دینے کا نہیں، صاحب۔پھوکٹ کو مول بھاؤ کرتا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ جھنجلائے ہوئے انداز میں بڑبڑاتا ہوا الٹے قدموں واپس چلا گیا۔

''سالے کیلے خریدنے چلے ہیں، ہونہہ۔اونچی کان پھیکا پکوان۔سالے کنجوس مارواڑی کہیں کے۔'' وہ بڑبڑاتا رہا۔اور اپنا ٹھیلہ سڑک کے کنارے کنارے لی کے موڑ کی طرف

دھکیلنے لگا، اس کی نگاہیں سڑک کے اس پار تیزی سے جاتے ہوئے اس آدمی پر تھیں جو ہوٹل سے نکلا تھا۔

''سالا یہ محلّہ ہی چوپٹ ہے، بڑے بڑے لوگ بنے ہیں اور چار آنے کے کیلے بھی نہیں کھاتے۔'' یہ کہتا ہوا وہ گلی میں مڑ گیا۔

یہاں کچھ دور آگے ایک ملباری کی چائے کی دکان پر ایک موٹا سا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیوں، کتفنے کے بیچ ڈالے؟'' وہ یہ کہتا ہوا قریب آ گیا۔

''اچھا جاؤ۔'' یہ کہہ کر اس آدمی نے ٹھیلہ سنبھال لیا اور آواز لگانے لگا۔

''جسے چاہئیں وہ لے لے، میرے تاشقند کے کیلے۔''

وہ ٹھیلہ اسی چائے کی دکان کے پاس کھڑا کر کے وہیں بینچ پر بیٹھ گیا۔

''میں ابھی آتا ہوں، سنڈاس ہو کر۔'' ٹھیلے والے نے کہا اور تیز تیز قدم رکھتا ہوا سڑک پر آ گیا۔ یہ سب کچھ صرف دو منٹ میں ہو گیا۔ وہ آدمی اب سڑک سے غائب ہو چکا تھا۔ وہ تذبذب میں پڑ گیا کہ کس طرف کو جائے، لیکن اسی وقت وہی کار پھر اس کے قریب سے گزرنے لگی۔

''اسرا، وہ اس سامنے والی چھوٹی سڑک میں گھوم گیا ہے۔ جلدی کرو۔'' یہ کہتا ہوا وہ کار لے کر نکل گیا اور اسرا اس کی گاڑی کے پیچھے۔

''ارے او صاحب، میرے پیسے، میرے پیسے، صاحب۔'' چلاتا ہوا دوڑتا دوڑتا اس کی بتائی ہوئی چھوٹی سڑک پر گھوم گیا۔ کار آگے نکل گئی اور سڑک پر پھر تھوڑی دیر پہلے کی طرح پرسکون ہو گئی جیسے یہاں کچھ بھی نہ ہوا ہو۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

شہر کے کنارے مزدوروں کی بستی والے گندے نالے کے اندھیرے پل پر دیر سے ایک سایہ رات کی تاریکی میں کنارے کے ایک درخت سے ٹکا ہوا کھڑا تھا۔ اس طرف راتوں کو بالکل سناٹا رہتا، سوائے ان آوارہ کتوں کے کبھی کبھی سنائی دینے والی نعروں اور جوابی نعروں کے، جو سوئی ہوئی بستی کی خاموش فضا میں کچھ دیر کیلیے ایک بے ہنگم شور برپا کر دیتے۔ شہر کی بڑی گھڑیال میں ٹھیک ساڑھے ا بجتے ہی پل کی دوسری طرف کسی کار کے رکنے کی آواز سنائی دی۔ وہ آدمی چونک پڑا۔ اس نے اس کار پر ٹارچ کی روشنی پھینکی، وہ کوئی ٹیکسی تھی جس سے ایک مرد اور ایک عورت اترے تھے۔ مرد ٹیکسی والے کو کچھ دے رہا تھا، جس کے بعد ٹیکسی واپس لوٹنے لگی۔ عورت کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ اس کے منہ اور آنکھوں پر بھی پٹیاں بندھی تھیں، وہ آدمی اسے دھکیلتا ہوا پل کی طرف لانے لگا۔ پلپر درخت کے سائے میں کھڑا ہوا وہی نووارد وہی قد آور آدمی تھا جو کل اسی جگہ اسے ملا تھا۔ وہ اس عورت کو اس طرح دھکیلتا اس کے قریب لے آیا۔

''یہ لو امانت۔'' اس نے آتے ہی کہا۔ ''اور میرے دس ہزار۔''

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔'' اوورکوٹ والا آدمی بولا۔ یہ کہہ کر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک بنڈل نکالتے ہوئے اس کی طرف بڑھایا، مگر جیسے ہی آنے والے نے اسے لینے کیلیے ہاتھ بڑھایا، ایک بھرپور گھونسہ سنسناتا ہوا اس کے جبڑے پر پڑا اور وہ چکرا گیا۔

''دھوکہ۔'' اس کے منہ سے نکلا۔

اوورکوٹ والے آدمی نے لڑکی کو اپنی گرفت میں لے لیا اور دوسرے ہاتھ سے جیب سے پستول نکال لیا، لیکن اتنی دیر میں وہ آدمی سنبھل چکا تھا۔

''اوہ، تو تم سمجھتے ہو کہ مان سنگھ کو اس طرح دھوکہ دے کر نکل جاؤ گے، ناممکن۔'' وہ اس کی طرف بڑھا۔

''بیوقوف، صرف ایک گولی تمہارا قصہ تمام کر دے گی۔'' اوورکوٹ والے نے اسے

ڈانٹا۔

''تو لو۔'' یہ کہہ کر اس نے اچانک جست کی اور قبل اس کے وہ آدمی، پستول کی لبلبی دبائے، زمین پر آرہا۔لڑکی بھی ایک طرف گر پڑی۔مگر ان دونوں کے اٹھتے اٹھتے نالے کے پل کے نیچے سے چار پانچ آدمی نکل کر بڑی مونچھوں والے مان سنگھ پر ٹوٹ پڑے۔وہ ان سے گتھم گتھا ہوگیا۔

عین اسی وقت پل کے اس پار سے کئی دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔

''اسے اٹھاؤ۔'' اوورکوٹ والا اپنے ساتھیوں سے بولا۔ان میں سے دو آدمیوں نے بندھی ہوئی لڑکی کو اٹھالیا اور پل کی ڈھلوان کی طرف اتر کر اندھیرے میں غائب ہوگئے۔ وہ اور اس کے ساتھی بڑی مونچھوں والے سے نپٹنے لگے، لیکن وہ زیادہ دیر ان کا مقابلہ نہ کرسکا۔ انھوں نے اسے اٹھنے ہی نہیں دیا۔اور بالآخر وہ بے ہوش ہوگیا۔دوسری طرف سے سنائی دینے والی دوڑتے قدموں کی آوازیں اب قریب ہوگئی تھیں، چنانچہ وہ اسے اسی عالم میں چھوڑ کر فرار ہوگئے۔

آنے والے پولیس کے چار سپاہی اور ایک سب انسپکٹر تھا۔انھوں نے آتے ہی زمین پر پڑے ہوئے بڑی مونچھوں والے آدمی کو اٹھایا۔انسپکٹر نے ٹارچ کی روشنی اس کے چہرے پر ڈالی۔

''یہی ہے، بالکل وہی حلیہ۔'' وہ بولا۔

''شاید بے ہوش ہوگیا ہے۔'' کسی کانسٹیبل نے کہا۔

''مگر وہ لڑکی کہاں ہے جس کا سودا کر رہا تھا؟''

''ہوش میں آئے تو اسی سے پتہ چلے گا، ممکن ہے وہ لوگ اسے بھی دھوکہ دے گئے ہوں۔'' انسپکٹر نے کہا۔

پھر وہ اسے اٹھا کر پل پار کرتے ہوئے اس جیپ کار میں لے آئے، جو دوسری

Akram Allahabadi

طرف کھڑی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

پولیس اسٹیشن پہنچتے ہی اسے ہوش آ گیا۔ وہاں انسپکٹر انچارج اس کے سامنے بیٹھا تھا اور جو ڈیوٹی آفیسر اسے پکڑ کر لایا تھا، وہ ایک کامیاب مسکراہٹ ہونٹوں پر لیے ایک طرف کھڑا تھا۔

''بڑی محنت سے گرفتار کیا ہے، صاحب، اسے۔ بڑا خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔'' وہ بولا۔

''اور وہ لڑکی؟''

''اسی سے پوچھیے۔''

''ابے، وہ لڑکی کہاں ہے، جس کا تم سودا کر رہے تھے؟''

''جہنم میں۔'' بڑی مونچھوں والا جھنجلایا ہوا سا اٹھ بیٹھا۔

''ابے او اخروٹ کے بھیجے، یہ پولیس اسٹیشن ہے، جو پوچھا جا رہا ہے، سیدھے سیدھے بتاؤ، ورنہ ایک منٹ میں ساری مستی ڈھیلی کر دوں گا۔'' انسپکٹر انچارج اس پر بگڑ پڑا۔ پھر وہ ڈیوٹی آفیسر کی طرف گھوم کر بولا۔

''اور وہ اس کا دوسرا ساتھی کہاں ہے، جو پل کے دوسری طرف چھپا ہوا تھا۔''

''وہ حوالات میں ہے۔ وہ پاگل بن گیا ہے۔ کہتا ہے میں تم سب کی کھال کھنچوا کر بھس بھروا دوں گا۔''

''اسے بھی لے کر آؤ، میں ابھی ان کے فرشتوں سے بھی قبول کرائے لیتا ہوں۔ لاتوں کے بھوت باتوں سے کہیں مانتے ہیں۔'' انسپکٹر نے حکم دیا۔

Akram Allahabadi

چنانچہ اسی وقت اس دوسرے آدمی کو بھی حوالات سے لے آیا گیا۔اس کے بدن پر ایک پرانی پھٹی سی پتلون اور دھاری دار غنڈہ مارکہ جرسی تھی۔

''مم، میں تم سب کی بھس کھینچوا کر کھال، آئی ایم ساری..'' وہ کہتے کہتے اس کی نظر اسی بری مونچھوں والے پر پڑ گئی۔

''ارے آپ؟'' وہ حیرت سے بولا۔''ناممکن، میں نہیں دیکھ سکتا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ پھر انسپکٹر کی طرف رخ کر کے بولا۔''کیوں اپنی شامت بلا رہے ہیں آپ لوگ۔شرلاک ہومز کو چوہا سمجھ لیا ہے کیا آپ نے؟''

''میں نے کہا نہ تھا، صاحب، کہ یہ پاگل بن گیا ہے۔سالا ہم سے ہی چار سو بیسی کھیلتا ہے۔'' حوالدار نے کہا۔

''یہ پولیس تھانہ ہے، یا پاگل خانہ۔مجھے تو آپ لوگ ہی پاگل نظر آ رہے ہیں۔' وہ سب کی طرف نظر دوڑا کر کہنے لگا۔

''شٹ اپ۔'' ڈیوٹی آفیسر اس پر بگڑ گیا۔

''آپ کی سنیے۔'' وہ منہ بنا کر بولا، لیکن اس کے انداز پر بڑی مونچھوں والے کو بھی ہنسی آ گئی۔

''آپ کو حیرت ہو رہی ہوگی، باس۔'' اس نے بڑی مونچھوں والے سے پوچھا۔

''آں... ہاں، تھوڑی سی، مگر لطف آ رہا ہے۔''

''ان لوگوں کو لطف آ رہا ہے یہاں۔'' سب انسپکٹر کی توجہ ان کے جملوں کی طرف منعطف کرائی۔

''ابھی کہاں آ رہا ہے، اب آئے گا۔'' وہ بولا۔

''اچھا خیر، یہ تماشہ بند کرواور، تنور، تمہیں تو معلوم ہے کس طرف جانا ہے؟'' بڑی مونچھوں والا اپنے ساتھی سے بولا۔

Akram Allahabadi

''معلوم ہے، مگر میں پولیس کا نوکر نہیں ہوں، یہ لوگ اچھے خاصے شریف آدمی کی انسلٹ کر دیتے ہیں۔'' وہ کہنے لگا۔

تنویر کا نام سن کر انسپکٹر چونک پڑا۔ وہ غور سے اس کی صورت دیکھنے لگا۔

''اب میری شکل ملاحظہ فرمایئے۔ دیکھیے ان مونچھوں کی آڑ میں کتنا خوفناک چہرہ چھپا ہوا ہے۔'' اس نے انسپکٹر کو بڑی مونچھوں والے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''یہ سب کیا مذاق ہے آخر؟'' انسپکٹر جھنجلا گیا، لیکن اس وقت اس آدمی نے خود مونچھیں اکھاڑ ڈالیں، پھر اس نے پلاسٹک کی ایک جھلی کے دونوں سرے کانوں کے سروں سے کھینچ کر جھلی چہرے پر سے اتار دی۔ انسپکٹر اور دوسرے آدمی اس کی شکل دیکھتے ہی فوراً اٹینشن ہو گئے۔

''حضور آ آپ۔'' انسپکٹر کے منہ سے نکلا اور ڈیوٹی آفیسر کے تو کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔

''اب تکلفات کی ضرورت نہیں، تم ڈیوٹی آفیسر کو ساتھ لے لو اور اسی گاؤں پر فوراً روانہ ہو جاؤ، میں دوسری طرف دیکھ لوں گا۔''

''دیکھیے، میری ان رضاکارانہ خدمات کا پورا پورا ثواب وصول کر لوں گا۔'' تنویر نے بتایا۔

''اس وقت تو کالا منہ کرو، ورنہ ممکن ہے وہ وہاں پہنچ گئے تو...'' اس نے مبہم سے اشارے میں کہا۔

''ابھی چلا، چلیے جناب آفیسر ڈیوٹی صاحب۔'' وہ سب انسپکٹر سے مخاطب ہوا۔ وہ بے چارہ اب تک سٹپٹائے ہوئے کھڑا تھا۔ بغیر کان ہلائے اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ تنویر کا حلیہ بھی اس وقت مضحکہ خیز ہو رہا تھا۔ وہ شہر کا کوئی چھٹا ہوا غنڈہ معلوم ہوتا تھا۔

''دیکھیے راستے میں کوئی مل جائے تو بتایئے گا کہ مجھے راؤنڈ اپ میں آوارہ گردی

کرتے ہوئے پکڑا ہے۔'' اس نے باہر آ کر سب انسپکٹر کو سمجھایا۔

''بہتر ہے۔'' وہ جھینپتا ہوا بولا۔

اور پھر دونوں جیپ کار میں بیٹھ کر روانہ ہوئے۔ سب انسپکٹر خود اسے ڈرائیو کر رہا تھا اور تنویر پاس والی نشست پر بیٹھا تھا۔

انچارج انسپکٹر کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے معذرت کیلیے، لیکن خان خود ہی مسکرا دیا۔

''آپ کے آدمیوں نے برا نہیں کیا، ہم جو چاہتے تھے، وہ ہو گیا ہے آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔'' خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے واقعی افسوس ہے۔''

''اس کی ضرورت نہیں، میں سمجھتا ہوں اور پھر کوئی کیا جانے کہ ہم کون تھے، لیکن آپ کے آدمی وہاں پہنچے کیسے؟'' خان نے پوچھا۔

''ہمیں کسی نامعلوم شخص کا فون آیا تھا کہ بڑی بڑی مونچھوں والا ایک آدمی گندے نالے کے پل پر ایک لڑکی کا سودا کر رہا ہے، اس لیے میں نے سب انسپکٹر ساونت کو بھیج دیا تھا۔'' انسپکٹر نے بتایا۔ ''خیر، جو ہوا اچھا ہی ہوا۔'' یہ کہہ کر وہ خود ہی چک اٹھا کر انچارج کے آفس میں گھس گیا اور اس وقت جا کر پولیس اسٹیشن کے عملے کو اپنی جگہوں پر بیٹھنے کا موقع ملا، ورنہ ابھی تک تو وہ سب ادب سے کھڑے ہوئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

اسے کمرے سے باہر نکلنے میں تقریباً دس منٹ لگے، اس درمیان میں اس نے دوبار اندر سے ایک جگ میں پانی بھی منگوایا۔ یہ جگ انسپکٹر کا تھا، جس میں وہ ہاتھ وغیرہ دھونے کیلیے پانی رکھتا تھا۔ دس منٹ بعد جب سپرنٹنڈنٹ خان باہر نکلا تو وہ بالکل اپنی اصلی حالت میں تھا۔

Akram Allahabadi

اور تعجب تو یہ کہ اس کا لباس بھی بدلا ہوا تھا۔ شاید اس نے کوٹ وغیرہ الٹ کر پہن لیے تھے۔ وہ پھر سب اٹینشن ہو گئے۔

''اب ذرا دھیان سے کام کیجیے کہ یہ علاقہ بھی مخدوش ہوا جا رہا ہے، اور خاص کر جیٹھا مل کے روئی کے گوداموں کی طرف نظر رکھیے۔'' خان نے انسپکٹر کو قریب بلا کر سمجھایا۔

''بہت خوب، میں خود ادھر گشت لگایا کروں گا، مگر کیا آپ پیدل جائیں گے؟''

''نہیں، میری کار پل کے اس طرف موجود ہے، میں نے اسے ایک گلی میکس چھپا دیا تھا، آپ اس کی فکر نہ کیجیے۔'' یہ کہتا ہوا اشارے سے سب کا سلام لے کر باہر نکل گیا۔ اور عملے والے گم سم سے کھڑے رہ گئے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

بے وقت پکنک

پہاڑی ۳۷ کا معائنہ کرنے کے بعد پولیس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا۔ خود سپرنٹنڈنٹ خان نے بھی اسرار اور بالے سمیت جا کر اس پہاڑی اور اس کے اطراف کا معائنہ کیا، لیکن سوائے اس کے کہ وہ اسے اسرار، ابراہیم اور رؤف کے وہم سے تعبیر کریں، اور کوئی علاج نہ تھا۔ البتہ اس پہاڑی کی طرف پولیس کی توجہ منعطف کرانے والی صرف ایک چیز تھی، رام ناتھ کانسٹیبل کی موت۔ اس کی لاش البتہ زمین کے ایک دڑے میں پڑی ہوئی پائی گئی تھی۔ وہ اس طرح کچل گئی تھی، جیسے زمین کے دو حصوں نے اسے اپنے درمیان دبا ڈالا تھا، لیکن زمین ایسا کرے گی؟ کسی کی سمجھ میں آنے والی بات نہ تھی۔ اس لیے ہر ایک اسے کوئی پراسرار وارداتِ قتل ہی گردان رہا تھا۔ وہ یہ بھی تسلیم نہیں کر رہے تھے کہ یہ کسی مافوق الفطرت ہاتھ، یا کسی بدروح، یا روحوں کا کام ہو سکتا ہے۔ پھر بھی یہ پہاڑی اپنے ان واقعات کے ساتھ جو خود پولیس والوں کو پیش آئے تھے، ایک معمہ بن گئی تھی۔ کوئی اس رات کے قصے کا مذاق اڑاتا اور کوئی زیادہ متاثر ہو کر سنتا۔ مگر سمجھ میں آئے تب ہی کوئی مانے۔ کسی پہاڑی کا پھولنا، پچکنا سمجھ میں نہ آنے والی بات ہی تھی۔

وہ جیسے گئے تھے، ویسے ہی الجھے ہوئے دماغ لے کر لوٹ آئے۔ جمشیوں کا بیان لیا جا چکا تھا۔ لیکن آج تک یہ نہ پتہ چل سکا کہ جو آدمی بروین کو ان کے سپرد کرنے آیا تھا، وہ کون تھا۔ خود پروین نے کہا تھا کہ اس کی شکل بالکل فیروز جیسی تھی اور فیروز مدت ہوئی خودکشی کر چکا تھا، یا مر چکا تھا۔ اس پراسرار آتشیں دائرے کا راز اب بھی نامعلوم تھا۔ اور سارا شہر آج بھی کسی نامعلوم خوف سے سہما ہوا تھا، کیونکہ پولیس سے وابستہ کی گئی ان کی امیدیں کہ وہ اس راز کا انکشاف کر کے کوئی سدِ باب کر لے گی، اب دم توڑ رہی تھیں۔ زیادہ تر لوگ یہی یقین کر رہے

تھے کہ یہ کوئی آفاقی حملہ ہے، یا پھر کوئی مافوق الفطرت بلا ہے۔

لیکن سپرنٹنڈنٹ خان اب تک اس معاملے میں خاموش تھا۔ وہ کسی قسم کا تبصرہ نہیں کر رہا تھا، کیونکہ اسے نہ کسی آسیب پر یقین تھا، نہ کسی آفاقی حملے پر۔ وہ اس قسم کی باتوں کو محض خبط سمجھتا تھا۔

آج کل اس کے پروگرام بھی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ یہ سب جانتے تھے کہ وہ بہت مصروف ہے، لیکن وہ کیا کر رہا ہے، یہ یقینی طور پر کسی کو بھی علم نہ تھا۔

پولیس بہر حال شہر کے علاقے میں ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کیلیے تیار تھی ایسے تشویشناک حالات میں بھی وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر پکنک پر جا رہا تھا۔ یہ بات بعض قریب کے آدمیوں کیلیے نہ صرف بے تکی، بلکہ تعجب خیز بھی تھی۔ لیکن جب اس نے آئی جی سے فون پر اپنا پروگرام بتایا تو وہ مسکرا دیے۔

''مجھے اعتماد ہے کہ تم بے کار وقت ضائع نہیں کر سکتے، ضرور اس میں بھی کوئی مصلحت ہوگی۔''

بالے کو اب تک شبہ تھا کہ وہ لونا ولا میں نرگس سے ملنے جا رہا ہے، اس کی یہ غلط فہمی یقین کی حد تک پہنچ گئی تھی کہ وہ نرگس سے اگر محبت نہیں کرتا تو کم از کم گہری دلچسپی ضرور لیتا ہے۔

یہ پارٹی سویرے سویرے ہی کام شیعہ کیلیے روانہ ہوگئی۔ ساتھ میں صرف کھانے پینے اور چائے کا سامان اور اسٹوو وغیرہ لے لیا گیا تھا۔ ان میں سے ہر ایک نے میک اپ کر کے حلیہ بدل رکھا تھا۔ خان ایک بوڑھے خوجے کے لباس اور حلیے میں سیاہ ڈاڑھی لگائے ہوئے تھا۔ بالے کو پارسی کا حلیہ عطا ہوا تھا۔ اسرار ایک بھاری سا موٹا مارواڑی بنا تھا اور ابراہیم اور رؤف کسی اور ڈیوٹی پر لگائے گئے تھے۔ ڈیسوزا کی شکل بدل کر اسے ادھیڑ عمر کا ایک فیشن ایبل آدمی بنا دیا گیا تھا۔ دو دوسرے آدمی بھی تھے، جو ان سے زیادہ بے تکلف نہیں معلوم ہوتے تھے۔ اور غالباً یہ ماتحت افسروں میں سے تھے۔ ان کے علاوہ ایک ادھیڑ عمر عورت ایک جون

لڑکی تھی۔ وہ بھی پولیس سے ہی متعلق معلوم ہوتی تھیں۔ کیونکہ اکثر بے تکلفی سے باتیں کرتے کرتے جھینپ جاتیں۔ ان کے رویے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ زبردستی بے تکلفی برتنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ان میں سے ایک خوجہ کی بیوی معلوم ہوتی تھی اور دوسری مارواڑی کی بیٹی۔ پارسی بابا شاید تقدیر سے ہی کنوارے تھے۔

جب وہ لونا ولا کی حدود سے گزرنے لگے تو بالے سے نہ رہا گیا۔

''وہ آپ کی محترمہ۔''

''شٹ اپ۔'' خان نے ڈانٹ دیا۔

''نہیں شٹ کرتا، آپ تو بات بات پر کاٹنے دوڑتے ہیں۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت تم کون ہو؟''

''میں ایک عدد ادھیڑ عمر شوہر کا عورت ہوں، آئی ایم ساری، عورت کا شوہر ہوں۔''

وہ اپنے پاس بیٹھی ہوئی ادھیڑ عمر عورت کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

''صرف فرضی۔'' اور وہ میک اپ میں بھی شرمائے بغیر نہ رہ سکی۔

''کیا آپ سیدھے کام سیدھے چلیں گے؟'' اسرار نے بات کاٹ دی۔

''نہیں۔ کام شیدھ اور لونا ولا کے درمیان ایک چھوٹی سی ندی ہے، بس اسی کے کنارے۔''

''کیا یہاں اور بھی لوگ آتے ہیں پکنک کو؟''

''نہیں۔ کبھی لونا ولا والے ہی چلے جاتے ہیں۔''

''خیر، ہم کو ندی کے کنارے ہی بظاہر پکنک منانی ہے، لیکن تفریح کرتے کرتے میں ایک ایک دو دو کے گروپس میں چاروں طرف پھیل جانا چاہیے۔ جانتے ہو ندی کے اس پار جلال خان کا وہ تاریخی مقبرہ ہے جس کے بارے میں یہاں طرح طرح کی آسیبی روایات مشہور ہیں۔''

''پھر پھیل کر کیا کرنا ہوگا؟'' اسرار نے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''سکڑنا ہوگا۔'' بالے بول اٹھا۔

''جیسے منہ میں بواسیر ہے۔'' اسرار نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''ٹے رستم کی تو انسلیٹ کیتو۔'' بالے نے نچلا ہونٹ باہر نکال کر اسے ڈانٹا۔

''یہ بے وقت کی شہنائی بند کرو، اب ہم قریب پہنچ رہے ہیں۔''

''او کے سر۔'' بالے نے اپنی ٹوپی گھما کر پہن لی۔

''اس مقبرے کا طواف کرنا ہے ہمیں؟'' وہ سنجیدہ ہو کر خان سے پوچھنے لگا۔

''تمہیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ اس علاقے میں اور اس مقبرے کے قرب و جوار میں کوئی مشتبہ نقل و حرکت تو نہیں ہوتی۔''

''تو اس کیلیے اتنا سب پروگرام بنانے کی کیا ضرورت تھی، سی آئی ڈی کے آدمی بھیج دیے ہوتے۔'' بالے بولا۔

''تم اوّل نمبر کے گدھے ہو۔'' خان جھنجلا اٹھا۔

''میں زندگی میں کبھی اوّل نمبر نہیں رہا۔ یہ اعزاز بھائی اسرار کا ہے۔'' بالے نے معذرت چاہی۔

''بالے، تمہارے کمبختی آ رہی ہے شاید۔'' اسرار نے اسے گھور کر غصے سے کہا۔

''بالے سوائے اوپر خدا کی ذات اور نیچے آئی جی پولیس کے اور کسی سے نہیں ڈرتا۔'' بالے نے گھونسے تان کر جواب دیا۔

''اور اگر جلال شاہ بابا کو جلال آ گیا تو؟''

''بس اب چپ رہو، بہت ہو چکی بکواس۔'' خان نے اسے ڈانٹ دیا اور وہ سب خاموش ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

ندی کنارے پہنچ کر انھوں نے ڈیرے ڈال دیے۔ سب سے پہلے اسٹوگرم کر کے چائے بنائی گی اور پھر وہ ہری ہری گھاس پر جھاڑیوں کے سائے میں بیٹھ کر تاش کھیلنے لگے۔

''بالے، تم ندی کے کنارے کنارے مچھلی کے شکار کے بہانے اس مقبرے تک پہنچ کر حالالت کا جائزہ لو اور اگر کوئی قابلِ ذکر بات ہو تو ایئر سگنل دے دینا۔

''اور اگر وہاں ہم خود ہی قابلِ ذکر ہو گئے تو؟'' بالے نے پوچھا۔

''سرکاری چندے سے تمہارے کفن دفن کا انتظام کرا دوں گا۔''

''اللہ آپ کا بھلا کرے۔ آپ جیسے مخیّر حضرات کے دم قدم سے ہی دنیا ایک پیر پر کھڑی ہے۔''

''لیکن پارسی اور مارواڑی دونوں ہی مچھلی کا شکار نہیں کھیلتے ہیں۔'' ڈیسوزا نے اس تجویز پر اعتراض کیا۔

''جانتا ہوں اور اسی لیے بھیج رہا ہوں، تا کہ تمہیں مشکوک سمجھنے والے اپنی چھپی ہوئی جگہوں سے باہر آ جائیں اور پھر وہ تمہارے پیچھے اور ہم ان کے پیچھے۔'' خان نے بتایا۔

''آپ بڑی دور کی سوچتے ہیں۔ یعنی بقول شخصے کہ آپ خوردبیں، آئی ایم سارہ، دوربین ہیں۔'' بالے نے چلتے چلتے کہا۔ پھر وہ اسرار کا بازو تھام کر بولا۔

''چلو بھیا، جوتے کھانے کی باری آ گئی۔ پیر جلال شاہ بگڑے تو موکلوں سے مرمت کرا دیں گے۔''

''تم تو وقت سے پہلے ہی حوائج ضروری سے فارغ ہوئے جاتے ہو۔'' اسرار نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

''لاحول ولاقوۃ۔ کیا غلیظ الفاظ آپ نے پیش کیے ہیں، کہیں دو چار درجے پڑھے لکھے ہوتو تو شاید فارسی میں شعر عرض کر دیا ہوتا۔'' بالے نے منہ بنا کر اسے جھاڑ دیا۔

خان اور اس کے ساتھی انھیں اس طرح آپس میں تو تو میں میں کرتے جاتے دیکھتے

رہے اور ان دوں کا یکجا ہونا ہی اس بات کی علامت تھی کہ دو دو چونچ ہوئے بغیر نہ رہے گی۔''

☆☆☆☆☆☆

وہ ندی کے کنارے آگے جا کر ایک موڑ کی طرف جھاڑیوں میں غائب ہو گئے اور یہاں فضول کی پکنک منائی جانے لگی۔ ویسے ان میں سے ہر ایک کے کان کھڑے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انھیں بے سبب یہاں نہیں لایا گیا ہے اور سپرنٹنڈنٹ خان کی یہ بے موقع تفریح بھی بے سبب نہیں ہو سکتی۔

''صرف ایک چیز سے ہمیں اس اہم راز کی کڑی مل سکتی ہے۔'' خان بیٹھے بیٹھے بڑبڑایا۔

''وہ کونسی چیز؟'' ڈیسوزا نے پوچھا۔

''پروین۔ اگر اسے یہاں لایا گیا تو ضرور پھر ایک بڑے خطرناک سلسلہ جرائم کی ساری کڑیاں ملنے لگیں گی۔'' خان نے بتایا۔

''تو کیا آپ ان معاملات کو اس پراسرار سرخ دائرے سے منسلک کر رہے ہیں؟''

''مجھے صرف شک ہے اور اس کی تصدیق کیلیے میں نے اتنا بڑا جوا کھیلا ہے کہ اس بیچاری کو بھی پھر ان کے حوالے کر دیا۔'' خان نے کہا۔

''لیکن ان کا پیچھا تو کل بھی کیا جا سکتا تھا؟''

''پروگرام تو یہی تھا، مگر پولیس کی بے وقت آمد نے ہمارا کام بگاڑ دیا اور پھر اس بیچارے سب انسپکٹر کا بھی کیا قصور، اسے فون پر اطلاع ملی تو وہ آ گیا اور ہم لوگ میک اپ میں تھے، اس لیے پہچان بھی نہ سکا۔''

''تو کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ اسے رات ہی کو کہیں لے گئے ہوں؟''

''رات کو نگرانی زیادہ سخت ہے، اس لیے وہ دن میں ہی اسے کسی دھوکے سے نکال

کر لے جائیں گے۔'' خان نے رائے دی۔

''لیکن آپ کو اس طرف کیسے شبہ ہوا؟''

''محض ایک ڈیکشن تھیوری۔ میں نے اس آتشی دائرے کو اسی طرف آ کر غائب ہوتے دیکھا تھا۔''

''آتشی دائرے کو؟'' دوسروں کے منہ سے نکلا۔ اور وہ خوفزدہ سے ہو گئے۔

''کیا تم لوگ بھی اس بلا سے ڈرتے ہو؟'' خان نے پوچھا۔

''جی، جی نہیں تو۔'' ڈیسوزا نے جھینپ کر کہا۔

''اگر آپ کا یہ شک غلط نکلا تو؟'' اس نے پھر پوچھا۔

''تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس پراسرار دائرے کے علاوہ ایک اور کیس میں الجھ گئے ہیں۔ اور وہ ہے ڈاکٹر گڈکر کا کیس۔''

''وہ کیسے؟''

''ڈاکٹر نے ہی دراصل پروین کو اغوا کر دیا تھا۔''

''ڈاکٹر نے؟'' ڈیسوزا اس طرح چونک پڑا، جیسے یہ بات اس کیلیے ہیروشیما پر بم گرنے سے کم نہ ہو۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

''یہ وقت آنے پر ثابت کر دیا جائے گا۔'' خان نے بتایا۔

''لیکن اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر وہ یقیناً پروین کو ختم کرا دے گا، جس طرح کہ پہلے کوشش کی گئی تھی؟''

''پروین میری حفاظت میں موجود ہے۔''

''اور وہ؟'' ڈیسوزا نے حیرت سے پوچھا۔

''سلوچنا کامنی لال ہے، اپنے محکمے کی ایک لیڈی سارجنٹ، وہ پروین کے میک

اپ میں ہے۔"

"اوہ۔" ڈیسوزا نے لمبی سی ٹھنڈی سانس لی۔

"تو کیا بروولی کے ناکے سے پولیس آفیسر کے بھیس میں آپ ہی لے بھاگے تھے اسے؟" ڈیسوزا نے آہستہ سے پوچھا۔

"اگر ایسا نہ کرتا تو اس قدر سراغ بھی نہ ملتا۔ ان لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالنے کا ایک طریقہ یہی تھا۔" خان نے بتایا۔

"آپ کے کاموں کو سمجھنا بڑا مشکل ہے۔" ڈیسوزا نے اعتراف کیا۔

"رفتہ رفتہ خود سمجھنے لگو گے۔" خان مسکرایا۔

"اس مقبرے سے ان حالات کا کیا تعلق ہوسکتا ہے؟"

"محض اس کی آسیبی روایات۔" خان نے مختصر سا جواب دیا۔ "اور آج کام شیعہ کے لوگ اس مقبرے پر نذرانے وغیرہ چڑھانے آئیں گے، آج جمعرات ہے نا، اور جمعرات کو مقبرے پر پھول اور نذرانے چڑھانے کا عام رواج ہے اور سنا ہے کہ آج کی رات وہ قبر ضرور پھٹتی ہے اور اس میں سے شعلے نکلتے ہیں۔" خان نے اسے بتایا۔ مگر ڈیسوزا بھی قبر اور اس کے آسیبی تذکرے سے کچھ متاثر نظر آنے لگا۔

"جب لوگوں کو اس مقبرے سے اتنی عقیدت ہے تو کہیں وہ ہمارے دشمن نہ ہو جائیں؟" اس نے پوچھا۔

"ہم احتیاط رکھیں گے۔" خان نے کہا۔

کیا یہ ممکن نہیں کہ اس میں کسی بزرگ کی روح ہی ہو اور وہ جلال میں آجاتی ہو؟" ڈیسوزا نے پھر سوال کیا۔

"معلوم ہوتا ہے تمہارا دماغ بھی بہکنے لگا اب۔"

"جی، میں تو یونہی پوچھ رہا ہوں۔"

''جو کچھ ہوگا، خود سامنے آجائے گا۔'' خان یہ کہہ کر کسی اور فکر میں غرق ہوگیا۔

کچھ دیر بعد ان دو فاضل آدمیوں میں سے ایک کی ڈیوٹی لگادی گئی کہ وہ اس جگہ سامان کی نگرانی کرے اور باقی آدمی تفریح کی نیت سے ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔'' خان نے انھیں ہدایت دے دی تھی کہ حتی الامکان اس پورے علاقے پر اونچائیوں سے نظر رکھی جائے، لیکن محتاط رہ کر۔

سہ پہر تک ان کوششوں میں کامیابی نہیں ہوئی، دن ڈھلتے ہی کام شیٹھ کے عقیدت مندوں کی آمد شروع ہوگئی۔ بالے اور اسرار ندی کے کنارے کنارے مقبرے تک جا کر واپس آچکے تھے۔ انھوں نے مقبرے کے اندر بھی گھوم پھر کر دیکھا تھا، لیکن کوئی قابلِ ذکر بات نہیں پائی، اس لیے گھنٹہ بھر بعد واپس آگئے تھے۔

چنانچہ وہ سب کے سب ایک ساتھ چل پڑے۔ اب یہی ایک صورت تھی کہ کام شیٹھ کی طرف سے مزار کے میلے میں آنے والوں کو بھی دیکھ لیا جائے، ممکن ہے ان میں ہی کوئی مشتبہ شکل نظر پڑے جس سے کوئی سراغ مل سکے۔ وہ بلا جھجک آپس میں اپنے اپنے بھیس والی زبانوں میں بڑبڑاتے بازار، بھاؤ اور نفع نقصان کی باتوں کے ساتھ ساتھ کچھ پکنک کا ذکر کرتے ہوئے مقبرے کی حدود میں پہنچ گئے۔ یہاں کام شیٹھ اور دوسرے بعض قریبی دیہاتوں کے عقیدتمند دور کے علاوہ لوناولا کی طرف سے آئے ہوئے کچھ بوڑھے پیر و مزار پرست قسم کے خوجے، پارسی اور دوسرے لوگ بھی تھے۔

اپنی نوعیت کا یہی ایک مقبرہ ایسا تھا جہاں کسی کو مجاور بننے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ ایک بار ایک بنگالی مؤذن نے یہاں مجاوری کرنی شروع کی تھی، لیکن دوسرے دن ہی وہ بخار کی کپکپی بدن پر لیے جاگ اٹھا۔ اس کا بیان تھا کہ اس نے اپنی آنکھوں سے قبر کو پھٹتے اور اس میں سے شعلے نکلتے دیکھے تھے۔ اور تب ہی سے کام شیٹھ اور اس کے اطراف کے علاقے کے لوگوں میں اس مقبرے کے بارے میں طرح طرح کے آسیبی تذکرے پھیل گئے تھے۔ زیادہ تر لوگ

اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ ضرور یہ صاحبِ مزار کی کرامات، یا اظہارِ جلال ہے، لیکن سال ہا سال قبل مرے ہوئے ایک شخص کی دروح کا تصور ہی اس قدر لرزہ خیز ہوتا کہ قبر پرستی کرنے ولاے بھی اس مزار کے نزدیک پھٹکتے ہوئے کانپتے تھے۔ وہ دور سے ہی پھول اور نذرانے دہلیز پر رکھ کر فاتحہ وغیرہ پڑھ کر، یا مرادیں مانگ کر چلے جاتے تھے۔ اور ایسا بھی ہفتے میں صرف ہر جمعرات کو ہوتا۔ آج لوگ کچھ جلدی واپس لوٹنے کی سوچ رہے تھے، کیونکہ سہ پہر ہی سے آسمان پر گہرے بادل چھا رہے تھے۔

شاید لوٹا ولا کی طرف س آنے والے شہری ان آسیبی روایتوں سے اور زیادہ اس مزار کی تقدیس کے قائل ہو گئے تھے، اس لیے بجائے خوف کھانے کے ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر اس پرانی پتھریلی قبر کو جس پر سنگِ مرمر کے تکیے پر افضل خاں صوبیدار اورنگ زیبِ وفات میں ۱۵۲۷ کندہ تھا، چوم بھی لیا۔ اور جب انھیں کچھ نہ ہوا، بلکہ وہ اور فخر سے مسکرا دیے تو باہر کھڑے ہوئے کام ٹیٹھ کے لوگ انھیں حیرت سے دیکھنے لگے۔ انھیں پھر بھی ہمت نہ ہوئی کہ دہلیز کے اندر قدم رکھ سکیں۔

''ٹمسے پاتحہ نھئی پڑھتو۔'' نئے شہری گروپ میں سے ادھیڑ عمر پارسی نے اپنے خوجہ ساتھی سے کہا۔

''اوں پڑھی لیوہو۔'' خوجہ ساتھی نے کہا۔

پھر وہ دونوں باہر کے کھلے ہوئے پتھریلے فرش پر بے تکلفی سے بیٹھ گئے اور ان کے دوسرے ساتھی بھی ان کے اردگرد دھرنا دے کر بیٹھ گئے۔

''کیھلی ساری جگیا چھے۔'' پارسی پھر خوجہ ساتھی سے بولا۔ ''ایں بابا مونا بجرگ رہیا ہوچے۔''

(کتنی اچھی جگہ ہے، اور یہ بابا بھی بڑے بھاری بزرگ رہے ہوں گے)

مگر اس کی بات کا اب کی بار خوجہ ساتھی نے کوئی جواب نہ دیا، وہ مقبرے کے

پتھریلے فرش والے کھلے چبوترے پر چڑھتے ہوئے ان تین آدمیوں کو، جن کے ساتھ ایک عورت اور ایک لڑکی بھی تھی، غور سے دیکھ رہا تھا۔

''ملاجی، چھوکری ساری بچھے۔'' پارسی نے پھر خوجہ ساتھی کو چھیڑا، لیکن وہ اس کے جواب میں اسے صرف گھور کر رہ گیا۔ آنے والے مقبرے کے دروازے تک آئے اور پھر فاتحہ وغیرہ پڑھ کر واپس لوٹنے لگے۔ بھیڑ اب رفتہ رفتہ چھٹ چلی تھی۔ پھر بھی اتنی تھی کہ چلنے والوں کا کندھے سے کندھا چھل رہا تھا اس کی وجہ سے مقبرے تک آنے والی پگڈنڈیوں کی تنگی بھی تھی۔

''ہم بیکار یہاں جھک مار رہے ہیں۔'' خوجہ کے ایک ساتھی نے کہا۔

''شام تک دیکھتے ہیں، پھر چلیں گے۔'' خوجہ قسم کے آدمی نے ہندوستانی لہجے میں جواب دیا۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ اگر واقعی یہ کوئی پہنچے ہوئے بزرگ ہوئے تو اس بے حرمتی کی سزا ضرور ملے گی۔''

اب کی بار پارسی نے بھی ہندوستانی لہجہ اختیار کیا۔ وہ بہت آہستہ آہستہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔

''ہم مزاروں کی بے حرمتی تو نہیں کر رہے ہیں، ہم تو صرف چند بدمعاشوں کو تلاش کر رہے تھے۔'' خوجہ نے جواب دیا۔

''عبدل بھائی، میرا تو سو فیصدی یقین ہے کہ آپ کو کوئی شدید غلط فہمی ہو گئی ہے۔ شہر چھوڑ کر اتنی دور وہ لوگ جھک مارنے نہ آئیں گے۔''

''خیال میرا بھی یہی ہے، اور پھر اس مزار سے لوگوں کی مذہبی عقیدتیں وابستہ ہیں۔ یہاں اگر کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تو وہ بھڑک جائیں گے۔'' چوتھے ساتھی نے رائے دی۔

''معلوم ہوتا ہے تم بھی ڈر رہے ہو۔ بہرحال شام تک اور دیکھے لیتے ہیں، پھر چلیں گے۔'' خوجہ قسم کا آدمی بولا۔

Akram Allahabadi

''جیسے آپ کی مرضی ۔اپ تو ایسنٹ کے غلام ہیں ۔'' یہ کہہ کر پارسی برا سا منہ بنا کر خاموش ہوگیا۔مگران کے باتیں کرتے کرتے آسمان پر بادل گرجنے لگے اور اندھیرا سا چھا گیا۔ ہواؤں کی رفتار طوفانی ہوگئی ۔مگر وہ پھر بھی وہیں جمے رہے ۔باہر پگڈنڈیوں پر مجمع چھٹ رہا تھا۔لوگ طوفان بادوباراں کے ڈر سے بھاگنے لگے تھے۔ کچھ شہری قسم کے لوگ بھاگنے کی بجائے مقبرے کے چبوترے پر چڑھ آئے اور پتھریلے سائبان کے نیچے کھڑے ہوکر بادلوں کی گرج کا ردِعمل دیکھنے لگے۔

''لیجیے معلوم ہوتا ہے طوفان آرہا ہے ۔'' پارسی اپنے خوجہ ساتھی سے بولا۔

آنے دو، کیا کریں ۔'' اس نے جواب دیا۔

بادل اور زور سے گرجنے لگے اور تھوڑی دیر بعد موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ وہ لوگ جواب بھی کسی وہم، یا نامعلوم خوف کی وجہ سے اس پرانے مقبرے کے سائے میں پناہ لینے نہیں آئے ،انھوں نے یا تو گھنے سایہ دار درختوں کے سائے میں پناہ لی، یا پھر بھیگتے ہوئے ہی بھاگ نکلے۔ بارش کا زور اور تیز ہوتا گیا اور مقبرے کا نیم شکستہ ورانڈہ بھی لوگوں کو بھیگنے سے نہ بچا سکا۔

''اندر آجاؤ، اندر آجاؤ۔'' ادھیڑ عمر خوجہ اپنے ساتھیوں کو مقبرے کے اندر بلاتے ہوئے اور خود اندر داخل ہوگیا۔ وہ لوگ ڈرتے جھجکتے اندر آگئے اور ان کی دیکھا دیکھی لونا ولا کی طرف سے آئے ہوئے تین آدمی بھی اندر آگئے ۔باقی کچھ لوگ باہر بھیگتے رہے۔

بارش نے اب سب کا راستہ روک دیا۔آج جیسی اچانک اور اتنی زور کی بارش پہلے کبھی نہ ہوئی تھی ۔ پگڈنڈیوں میں پانی بہنے لگا اور ذرا سی دیر میں خشک پڑی ہوئی زمین پر کیچڑ ہی کیچڑ نظر آنے لگا۔ان علاقوں میں بارش اسی طرح اچانک ہوا کرتی تھی اور کیونکہ یہ علاقے کسی قدر نشیبی تھے، اس لیے یہاں کے ندی نالے چند گھنٹوں کی مسلسل بارش میں ہی ابل پڑتے۔

اندھیرا ہوگیا اور بارش نے رکنے کا نام نہ لیا۔ایک تو ویسے ہی اس مقام پر بھیانک

سناٹا مسلط ہو چکا تھا، جس میں سوائے بارش کے تقاطر اور پاگلوں کی طرح جھومتی ہواؤں کے شور کے اور کچھ نہ سنائی دیتا، ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے اس اطراف میں انسان کے قدم آئے ہی نہ ہوں گے۔ جو بھاگ گئے ان کا راہ میں کیا حشر ہوا ہوگا، یہ خدا جانے، لیکن جو رہ گئے تھے، ان کا برا حال تھا۔ بیچارے اپنے ساتھ نہ تو بارش کی بوچھار اور سرد ہوا سے پیدا ہونے والی خنکی سے بچنے کیلیے گرم کپڑے، یا کوئی اور بندوبست کر آئے تھے، نہ ہی کھانے پینے کا کوئی سامان۔ اور بارش سے یہ امید نہ تھی کہ جلد تھمنے کا نام لے گی۔ اور یہ سب کچھ بھی ایک انفال کی طرح برداشت کیا جا سکتا، لیکن اس مقام پر۔۔۔ اوہام تازہ ہوتے جا رہے تھے جو اس پرانے تاریخی مقبرے سے متعلق سنی گئی آسیبی روایات سے پیدا ہوئے تھے۔ مگر وہ بے بس تھے۔

باہر کھڑے ہو کر بھیگنے والوں کو بھی بالآخر دوسروں کی ہمت پر اندر آنا پڑا۔ وہ سہمے سہمے سے اس پتھریلے کمرے میں ایک طرف دروازے کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ اندر سے سیلن کی عجیب سی۔۔۔ ہوئی بو اڑ رہی تھی۔ اور تاریکی کا یہ عالم تھا کہ صرف ماچس جلا کر ہی وہ ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ پاتے۔

طوفان بادوباراں اور بڑھتا ہی جا رہا تھا اور باہر بادل کی گرج اور بجلی کی چمک کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں کمزور درخت بھی اپنی جڑیں چھوڑ کر گر رہے تھے۔

''آج تو بڑے پھنسے۔'' ادھیڑ عمر پارسی بڑبڑایا۔

''بیٹے، خطرات سے کھیلنا ہی تو اصل زندگی ہے اور پھر یہ تو کوئی خاص بات بھی نہیں۔'' خوجہ ساتھی نے کہا۔

''عبدل بھائی، اپن تمہارے جتنا دل والا آدمی نہیں۔'' پارسی نے کہا۔

دوسرے آدمی بھی خاموشی سے اندھیرے میں بیٹھے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔

''ذرا ٹائم تو دیکھیے۔'' ایک ساتھی نے اس سے پوچھا۔ اور اس نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیا سلائی جلا کر اس کی روشنی میں دیکھا۔

Akram Allahabadi

''زیادہ نہیں، صرف رات کے دس بجے ہیں۔'' وہ بولا۔

''دس؟'' دوسروں کے منہ سے نکلا۔

''اگر طوفان کا یہی عالم رہا تو رات اسی کھنڈر میں گزارنی پڑے گی۔'' خوجہ قسم کا ساتھی کہنے لگا۔

''کم از کم میں تو بھاگ جاؤں گا۔'' پارسی نے آہستہ سے کہا۔

مگر اسی وقت وہ اندر تاریکی میں بیٹھے ہوئے دوسرے چار آدمیوں میں سے ایک زنانی چیخ سن کر چونک پڑے۔

''کیا بات ہے؟'' خوجہ نے بلند آواز سے پوچھا۔

''کچھ نہیں، شاید ڈر گئی ہے کسی چیز سے۔'' ان میں سے ایک نے ماچس جلاتے ہوئے جواب دیا۔

''جیسے... جیسے کوئی مجھے چھو رہا تھا۔'' لڑکی نے سہمی ہوئی آواز میں بتایا۔

لیکن جلتی ہوئی سلائی کی مدھم روشنی میں انھیں وہاں کوئی نظر نہ آیا۔

''وہم ہوا ہوگا۔'' ان کے ایک ساتھی نے کہا۔

''سنا ہے آج کی رات ہی وہ قبر پھٹتی ہے اور اس میں سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں۔'' ایک دوسرے آدمی نے خوفزدہ انداز میں کہا۔

''ہشت، سب فینٹیسٹی ہے، محض بکواس۔'' خوجہ کا ساتھی سر کو جھٹک کر کہنے لگا۔ ''لوگ ایسی ہی من گھڑت باتیں اڑا کر لوگوں کو بیوقوف بنایا کرتے ہیں۔''

''شاید۔'' خوجہ یہ کہہ کر خاموش رہ گیا۔ اور پھر اس تاریک اور دہشت زدہ مقام پر ایک بھیانک سناٹا چھا گیا۔ صرف باہر طوفانی ہواؤں کی سنسناہٹ اور باہر کا شور سنائی دے رہا تھا، جس میں کبھی کبھی دور سے کسی سیار یا پھر کسی الو کی آواز سنائی دے جاتی۔

جیسے جیسے وقت گزرتا جا رہا تھا، رات کی تاریکی اور گہری اور ماحول کا بھیانک پن

شدید ہوتا جا رہا تھا۔ چند گھنٹے پہلے جہاں بہت سے آدمیوں کو کوئی خوف نہیں محسوس ہو رہا تھا، وہیں اب وہ ایک عجیب سی سنسنی خیز کیفیت سے دوچار تھے۔ لوگوں کی کہی ہوئی باتوں کا نفسیاتی اثر رفتہ رفتہ ان پر طاری ہو چلا تھا۔

خوجہ عبدل کے بھیس میں خود سپرنٹنڈنٹ خاں یہاں موجود تھا، لیکن اس وقت اسے بھی سنجیدگی سے سوچنا پڑ رہا تھا کہ کہیں اس کے شبہات غلط تو نہیں تھے۔ کیونکہ سارے دن اس علاقے کی نگرانی کرانے کے بعد سے اس وقت تک کوئی بات ایسی نہیں ہوئی تھی، جو ذرا بھی قابلِ غور ہوتی۔ ماحول کی آسیبیت، یا اس مقبرے کی روایات سے تو اسے ویسے بھی کوئی دلچسپی نہ تھی، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ قبریں پجوا کر پیٹ پالنے والے لوگ اکثر اس قسم کی افواہیں اڑاتے رہتے ہیں، تاکہ کچے ذہن اور کچے عقیدے کے لوگ ان کے آکہ کار رہتے ہیں۔ اور ہندوستان میں تو لعنت ایک مستقل کاروبار بن گئی تھی۔ حتیٰ کہ درپردہ وہ مجاوروں، تکیہ داری اور سجادہ نشینی تک بچی اور بدلی جاتی تھی۔

بہر حال اگر اس کے شبہات اس علاقے کیلیے غلط تھے تو پھر یقیناً اس نے اتنا وقت یہاں گنوا کر غلطی کی تھی۔ وہ اسی سوچ میں پڑا ہوا تھا، نہ جانے بیچاری کا کیا حال ہوا ہو، کہاں لے گئے وہ اسے۔ بار بار یہ خیال اس کے ذہن سے ٹکرا رہا تھا۔

''صاحب کچھ سوچ ریلا ے۔'' پارسی نما بالے نے اس کیکان کے پاس آہستہ سے کہا۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ ہم یہاں سے کس وقت نکل سکیں گے۔''

''اگر طوفان کا یہی حال رہا تو خدا کے فضل سے آپ صبح سے پہلے تو اس خوبصورت مقام کو الوداع نہیں کہہ سکتے۔'' بالے بولا۔

''مجھے تو سردی لگ رہی ہے۔'' اسرار جو مارواڑی کے لباس میں تھا، کہا۔

''تو تم سردی کو لگ جاؤ۔'' بلے نے ہی جواب دیا۔

Akram Allahabadi

''تم چپ رہو، کھونسٹ، میں تم سے نہیں کہہ رہا ہوں۔'' آہستہ مگر تیز لہجے میں بولا۔

''کم از کم موقع اور وقت کا تو لحاظ کیا کرو تم، ورنہ مجھے تم لوگوں کا کوئی مناسب علاج کرنا پڑے گا۔'' خان نے انھیں دبی زبان سے ڈانٹا۔

''او کے سر۔'' بالے یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

اتنے میں پھر ایک بار اس لڑکی کی چیخ سنائی دی اور سب چونک پڑے۔

''ہم... میں نے... ایک سایہ... سایہ سا دیکھا ہے۔'' وہ کانپتی ہوئی آواز میں ساتھ والے مرد سے بولی۔

''کہاں؟''

''وہاں، اس قبر کے پاس۔'' اس نے کانپتی ہوئی انگلی سے اشارہ کیا۔

''سایہ؟'' خان کے منہ سے نکلا اور اس بار اس نے جیب سے اپنی ٹارچ نکالی۔ اس کی روشنی قبر کی طرف پھینک کر اس نے پھر ادھر ادھر اور کونوں میں روشنی ڈالی، مگر وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

''ضرور وہم ہوا ہوگا۔'' اس کا دوسرا ساتھی بولا۔

''یہ کیا بار بار وہم وہم لگا رکھا ہے، ایسی جگہ کیا کچھ ہو جائے بعید نہیں۔'' لڑکی کے ساتھی نے جو شاید اس کا باپ، یا کوئی قریبی بزرگ معلوم ہوتا تھا، اس کی وکالت کی۔

''مم، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔''

''محترمہ، کانوں سے کوئی نہیں دیکھتا، سب آنکھوں سے ہی دیکھتے ہیں، لیکن آپ ذرا صبر اور ہمت سے کام لیں۔ آخر اور لوگ بھی تو ساتھ ہیں۔'' اس بار بالے ان کے درمیان میں ایک بزرگ مصلح کی طرح کود پڑا۔

''وہ پھر... وہ پھر...'' لڑکی پھر خوفزدہ انداز میں چیخی، لیکن اس بار بھی ٹارچوں کی روشنیاں ڈال کر کچھ نظر نہ آیا۔

Akram Allahabadi

''ڈر رہی ہے بیچاری۔''بالے نے اس کی طرف اشارہ کر کے خان سے کہا۔

''تم ذرا عقل مند ہو،تم ہی ڈھارس بندھادو اس کی۔''ڈیسوزا نے مشورہ دیا۔

''نا بابا،مفت میں گلے پڑ گئی تو مصیبت۔''

''تم تو اسی قسم کے رومان ڈھونڈتے پھرتے ہو۔''

''سردست سرگرمیاں معطل کردی ہیں میں نے۔''

''وہ تھا...وہیں اسی قبر کے سرہانے...کالا سا سایہ۔''لڑکی سہمی ہوئی سی اپنے ساتھ والے مردوں سے بتا رہی تھی۔

''عجیب مرن ہے،باہر طوفان اتنا تیز اور اندر خدا جانے کیا اور کیا ہونے والا ہو۔''اس کے ساتھ والے مرد نے کہا۔

''آج شاید بادل بھی طے کر کے آئے تھے کہ جی بھر کے برسیں گے۔اسی انتظار میں کہ اب بارش بند ہو،رات کے بارہ بج گئے۔اور پانی ذرا نہ ٹوٹا۔کئی بار دہشت زدہ انداز میں دروازے تک آ آ کر ان لوگوں نے چاہا کہ اس طوفانی رات میں ہی کم از کم اس آسیبی مقام سے نکل چلیں،لیکن ہمت نہ ہوتی۔ان کے ساتھ اگر ایک جوان لڑکی بھی نہ ہوتی تو شاید وہ کوئی ایسی بھی حماقت کر بیٹھتے۔بہر حال انھیں اسی تاریک مقبرے میں ٹھہرنا پڑا۔

سب کی ناکیں اچانک سکڑنے لگیں۔اس پتھریلے مقبرے میں اچانک ایک عجیب سی خوشبو پھیلنی شروع ہوگئی۔

''یہ بو کیسی ہے؟''بالے نے کسی خرگوش کی طرح ناک سکیڑتے ہوئے کہا۔

'لوبان،کافور اور نہ جانے کس کس چیز کی ملی جلی خوشبو ہے۔''اسرار ابو کو اچھی طرح سونگھتے ہوئے بولا۔

خوشبو دم بدم تیز اور تیز تر ہوگئی۔اور پھر نہ جانے کہاں سے آپ سے آپ کمرے میں بہت ہلکا سا اجالا پھیل گیا۔باہر بادل بڑی زور سے گرج رہے تھے۔

''دیکھیے بابا۔''لڑکی پھر چیخ کر اپنے ساتھ والے سے ڈر کے مارے لپٹ گئی۔اور تقریباً سب ہی خوف وتعجب سے ادھر دیکھنے لگے۔وہ پرانی بخت قبر آہستہ آہستہ بیچ سے دو حصّوں میں پھٹ رہی تھی۔لڑکی نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی۔شاید ایسے ہی موقعوں پر انسان کی فطرت کو خودغرضی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔اس کے ساتھی، جن میں شاید اس کا باپ بھی شامل تھا، اس بری طرح خوفزدہ ہوئے کہ لڑکی کو اسی عالم میں چھوڑ کر وہ دروازے کی طرف بھاگ نکلے۔ خان اور اس کے ساتھی بھی متحیر سے دروازے کے نزدیک کھسک کر کھڑے ہو گئے تھے۔خان نے ہمت کر کے ٹارچ کی روشنی اس قبر پر ڈالی اور ان لوگوں کے دل دھک سے ہو گئے۔اس کے اندر سے دھواں نکل رہا تھا۔اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے قبر اور پھٹ گئی اور اس میں سے آگ کے شعلے نکلنا شروع ہو گئے۔

''تم لوگ باہر نکلو، میں ابھی آتا ہوں۔''خان نے ساتھیوں کو ہدایت کی۔اور خود بے ہوش لڑکی کی طرف دوڑا۔اس نے اسے بازوؤں پر اٹھالیا۔قبر کے شعلے بھڑک بھڑک کر نکل رہے تھے۔اور ایک عجیب سی گڑگڑاہٹ جیسے دور بہت دور سنائی دے رہی ہو۔باقی سب لوگ اس وقت تک باہر نکل چکے تھے۔شعلوں کا رنگ مشترک سرخ، زرد اور آسمانی تھا اور ان کے ساتھ ہی ایک عجیب سا نیلے رنگ کا دھواں چاروں طرف پھیل رہا تھا۔وہ اس لڑکی کو سنبھال کر دو قدم ہی چلا تھا کہ اسے چکر آنے لگے۔

''با...بالے۔''وہ اندر سے چیخا۔اور لڑکی سمیت وہیں گر پڑا۔

باہر طوفانی بارش کے شور میں اس کی آواز صاف نہیں سنائی دی۔لیکن دو منٹ گزر جانے پر بھی جب خان اندر سے نہ نکلا تو بالے اور اسرار کو تشویش ہونے لگی۔

''میں اندر جا کر دیکھتا ہوں۔''اسرار نے کہا۔

''اور تمہیں کچھ ہو گیا تو؟''

''ہو جانے دو۔''وہ بولا۔

''تو میں بھی چلتا ہوں۔''

''یہ کہہ کر دونوں پھر دہلیز کی طرف کھسکنے اور جیسے ہی انھوں نے اندر جھانک کر دیکھا، وہ حیران رہ گئے۔ اندر آگ اگلتی ہوئی قبر سے نکلنے والے شعلوں کی روشنی میں اندر کے در و دیوار صاف نظر آ رہے تھے۔ لیکن نہ سپرنٹنڈنٹ خان کا پتہ تھا نہ اس لڑکی کا۔

اسرار نے جیسے ہی قدم اندر رکھنا چاہا، بالے اور ڈیسوزا نے اسے تھام لیا۔

''اس طرح خود کو خطرے میں ڈال دینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا، ہمیں نتائج کا انتظار کرنا چاہیے۔'' ڈیسوزا نے اسے سمجھایا۔

''تمہارے نتائج گئے جہنم میں۔'' اسرار کو غصہ آ گیا۔ ''وہ ہمیں بچا کر خود خطرے میں کود پڑے اور ہم تماشا دیکھیں۔''

یہ کہہ کر ایک جھٹکے سے وہ ان کی گرفت سے نکل کر اندر گھس گیا۔ اور وہ لوگ گم سم رہ گئے۔

''ہائے میری بچی۔'' باہر کھڑا ہوا ادھیڑ عمر آدمی رو رہا تھا۔

''بزدل، اسے چھوڑ کر بھاگ آئے، اب روتے ہو۔'' بالے سے نہ رہا گیا، تو بول اٹھا۔

ابھی وہ اسی تذبذب میں کھڑے تھے کہ انھیں آسمان پر ایک عجیب سی آواز سنائی دی۔ ایک تیز زناٹا، جس کی آواز کسی برسٹ ہونے والے ٹائر سے نکلنے والی ہوا کی جیسی تھی۔ ان کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ انھوں نے دیکھا کے دور شمال کی طرف سے وہی پراسرار آتشیں دائرہ فضا میں پرواز کرتا ہوا شہر کی طرف جا رہا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتے رہ گئے۔ اور دوسروں کی تو گھگھی بندھ گئی تھی۔

غیر متوقع طور پر کچھ دیر بعد آپ سے آپ وہ شعلے قبر میں واپس بیٹھ گئے اور مقبرے میں پہلے جیسی گہری تاریکی چھا گئی۔ بالے نے فوراً ٹارچ کی روشنی پھینکتے ہوئے اسرار کو آواز دی،

Akram Allahabadi

مگر کوئی جواب نہ ملا۔اس نے قبر پر روشنی ڈالی۔وہ پہلے کی طرح صحیح وسالم ہو چکی تھی۔

''یا خدا، یہ طلسم ہوشربا کی سرحد ہے کیا۔''بالے بڑبڑایا۔اندر سے لوبان وغیرہ جیسی ملی جلی خوشبو کی بھبک نکل کر ان کی ناک سے ٹکرائی اور ساتھ ہی نیلے رنگ کے دھوئیں کی ہلکی ہلکی لہریں اندر سے نکل کر باہر ہوا میں غائب ہو گئیں۔

''اسرار۔''بالے نے پھر حلق پھاڑ کر آواز دی۔

''میری بچی...''وہ دوسرا آدمی بلبلا کر چیخا۔

''چلو چل کر دیکھیں، شاید اب اس قبر کا غیض وغضب ختم ہو چکا ہے۔''ڈیسوزا نے کہا۔

اور ہمت کر کے وہ نارچیں ہاتھوں میں لیے اندر داخل ہو گئے۔ان کے پیچھے لڑکی کا باپ اور دوسرے آدمی سہمے سہمے سے آ رہے تھے۔اس قبر کے قریب ہی نارچ کی روشنی کے دائرے میں اسرار کو اوندھا پڑا دیکھ کر ڈیسوزا ٹھٹک گیا۔بالے نے نبض ٹٹولی۔

''نبض تو چل رہی ہے۔''یہ کہہ کر اس نے اسے پلٹ دیا۔

''معلوم ہوتا ہے کسی خوف کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا ہے۔''بالے بولا۔

اور پھر اس پتھریلے مقبرے کا کونا کونا ٹھونک بجانے پر بھی کچھ پتہ نہ چل سکا کہ خان اور اس لڑکی کو کیا ہوا۔اور یہ سب کچھ کیا اور کیوں تھا۔ان کوششوں میں ناکام ہونے پر ان پر اس مقام کے آسیبی اثرات اور گہرے ہو گئے ہیں، لیکن ہونے والی عجب عجب باتیں واقع ہوتی تھیں اور اس وقت حالات پھر حسبِ معمول تھے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پھر وہی آسمانی حملہ

اس کے بعد کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا۔ایک ڈیڑھ گھنٹہ اور گزارنا پڑا، تب کہیں بارش نے دم توڑا۔ جب وہ اداس اور پریشان اور بارش کی مرطوب ہوا سے سردی محسوس کرتے ہوئے اس مقبرے سے نکل کر برسات کی کیچڑ میں اپنے جوتے اور پتلونوں کے پائنچے سونڈتے ہوئے، اندازے کے مطابق کام شیتھ کی طرف جانے والی پگڈنڈی پر چلے تو رات نصف سے زیادہ ڈھل چکی تھی اور ان کی کلائی کی گھڑیوں میں ۳ بج رہے تھے۔لڑکی کا باپ سسکیاں بھرتا ہوا اپنے ساتھیوں سمیت ان کے پیچھے آرہا تھا۔اور ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ اپنی سمجھ اور یقین کے مطابق ان محیرالعقول واقعات کے بارے میں سوچتا چل رہا تھا۔ساتھ ہی بالے، اسرار اور ڈیسوزا کو یہ بھی یقین تھا کہ وہ پراسرار سرخ دائرہ جو زمانے کے ساتھ فضا میں پرواز کرتا ہوا گیا ہے، نہ جانے شہر کے کس علاقے میں قیامت کر رہا ہوگا۔وہ اب جلد از جلد شہر پہنچ جانا چاہتے تھے تاکہ بڑے پولیس افسروں کو ان واقعات کی خبر کر کے سپرنٹنڈنٹ خان اور گمشدہ لڑکی کی تلاش کرائی جائے۔

پانی تھم جانے کی وجہ سے وہ بجائے کام شیتھ جانے کے لوٹا ولا کے آدمیوں کے ساتھ۔۔۔۔۔اس کے بعد اپنی گاڑی اسی مقام سے جہاں وہ اسے چھوڑ کر گئے تھے، نکال کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

شہر میں داخل ہوتے ہوتے وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہاں بارش بہت کم ہوئی تھی، لیکن آج بھی شہر میں ویسی ہی کھلبلی مچی تھی اور پولیس کی گاڑیاں سڑکوں پر پٹرول کرتی نظر آرہی تھیں۔

لوگوں میں دہشت پھیلی ہوئی تھی۔آج لوگ بہت سویرے جاگے تھے، بلکہ بہت

سے تو باقی رات سوئے بھی نہ تھے۔

☆☆☆☆☆☆

رات شہر کا سب سے بڑا ناور زمین پر آ گیا تھا اور شہر کے عجائب خانے کے گنبد میں شگاف پڑ گیا تھا۔ بہت سے لوگ اسے بجلی گرنے سے منسوب کر رہے تھے، لیکن پولیس کے گشتی سپاہیوں نے، جو اَب زیادہ مستعدی سے شب گشتی کرنے لگے تھے، اپنی آنکھوں سے اس آتشیں دائرے کو اس طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اور وہ اتنی تیزی سے آسمانی خلاؤں میں تیرتا ہوا گزرتا تھا کہ نہ تو اس پر گولی چلائی جا سکتی تھی، نہ اینٹی ایئر کرافٹ گنز سے نشانہ باندھا جا سکتا تھا۔ اس کے راز کو جاننے کیلیے ہر ایک بے چین تھا اور اخباروں میں شائع ہونے والی اس کی خبریں سائنس دانوں کیلیے بھی موضوعِ بحث بن گئی تھیں بلکہ بعض نے تو جب اخباری نمائندوں نے جا کر اس بارے میں رائے طلب کی تو انھوں نے اسے کسی ممکنہ آفاقی حملے سے ہی تعبیر کیا۔

☆☆☆☆☆☆

''پولیس ایک عضوِ معطل بن کر رہ گئی۔ آخر یہ ہے کیا مذاق؟'' ڈپٹی کمشنر نپت نے ڈیسوزا کو اپنی موٹی موٹی آنکھوں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''صاحب، ہم لوگ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، لیکن انسانوں سے تو لڑا جا سکتا ہے، ان بدروحوں سے، آسیبوں سے کون لڑے گا۔'' ڈیسوزا نے سادگی، مگر سچائی سے کہا۔

''بدروحیں، آسیب، یہ سب کونسی حماقتیں سیکھ لی ہیں تم نے۔'' وہ جھنجلا کر بولا۔

''ہم لوگوں نے اپنی آنکھوں سے قبر کو پھٹتے اور اس میں سے شعلے نکلتے دیکھے ہیں۔ خان صاحب تک تو اسی آسیب میں غائب ہو گئے، سر۔''

Akram Allahabadi

''میں ابھی چلتا ہوں تم لوگوں کے ساتھ۔ ہمارے لیے ڈوب مرنے کا وقت آچکا ہے اب۔'' ڈپٹی کمشنر اٹھ کھڑا ہوا۔

باہر بالے، اسرار، ابراہیم اور رؤف کے علاوہ عملے کے کچھ دوسرے افراد بنچوں پر بیٹھے تھے۔ انھیں بھی اس کے سامنے پیش ہونا تھا، لیکن کمشنر کو خود باہر نکلتے دیکھ کر وہ سب اٹینشن ہو کر کھڑے ہو گئے۔

کمشنر نے اسی وقت اسٹیشن ویگن گاڑیاں منگالیں اور بالے، اسرار اور ڈیسوزا کے علاوہ چند مسلح آدمیوں کو لے کر کام شیتھر کی طرف چل دیا۔

☆☆☆☆☆☆

دوپہر ہوتے ہوتے جلال خان کے پتھریلے تاریخی مقبرے کی عمارت کو چاروں طرف سے مسلح پولیس نے گھیر لیا۔ جو کچھ کیا جا رہا تھا، اگرچہ مفادِ عامہ ہی کیلیے تھا، لیکن اسے اتنے رازدارانہ طریقے پر کیا جا رہا تھا کہ خود باہر پہرہ دینے والے پولیس کانسٹیبلوں کو معلوم نہ تھا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔ ڈر اس بات کا تھا کہ اگر اس مزار کے عقیدت مندوں کو خبر مل گئی تو وہ اندھیر مچا دیں گے۔ اور ویسے بھی ایسی کاروائی کیلیے اعلیٰ سرکاری حکام کی اجازت لینی پڑتی، مگر ڈپٹی کمشنر اسے خود اپنی ذمے داری پر کرا رہا تھا، کیونکہ اتنا وقت نہ تھا کہ باقاعدہ سرکاری اجازت نامہ حاصل کرایا جائے۔ اور سپرنٹنڈنٹ خان کا پتہ لگانا بھی ضروری تھا، کیونکہ وہی اس پراسرار آسیبی راز کا کوئی حل نکال سکتا تھا۔ اس نے شروع سے ان واقعات کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔

لونا ولا سے دو اعتماد کے کاریگر بھی بلائے گئے تھے، جو پہلے تو اس قبر کو ہاتھ لگاتے ہوئے ہی ڈرتے تھے، لیکن جب خود نپت ان کے کام میں شریک ہو گیا تو انھیں بھی کچھ جرأت ہوئی۔

قبر کے اوپر کا سنگِ مرمر کا حصہ جب اکھاڑا گیا تو وہ سب چونک پڑے۔ کاریگروں

نے ہاتھ سے اوزار ڈل دیے اور قبر میں لیٹے ہوئے مردے کو دیکھ کر ان کی گھگھی بندھ گئی۔ اس کا کفن تک ابھی میلا نہیں ہوا تھا اور لاش صحیح سالم حالت میں تھی۔

''یہ تو جیسے تازہ لاش معلوم ہوتی ہے۔'' ڈپٹی کمشنر نے کہا۔

''صاحب، سنا ہے شہیدوں اور ولیوں کی لاشیں اسی طرح ہمیشہ رکھی رہتی ہیں۔ نہ کفن میلا ہوتا ہے، نہ کیڑے کھاتے ہیں۔'' اسرار نے قریب آکر سہمے ہوئے کہا۔

لیکن اس کی کچھ سننے کی بجائے ڈپٹی کمشنر ٹارچ کی روشنی قبر کے اندر چاروں طرف ڈالنے لگے۔ اندر سے لوبان، عنبر، مشک اور کافور وغیرہ کی ملی جلی خوشبو کے بھپکے نکل رہے تھے۔ اس نے ناک پر رومال رکھ لیا۔

☆☆☆☆☆☆

یہ کوشش لاحاصل رہی۔ قبر کو اسی طرح بند کر دیا گیا۔ لیکن ایک مردے کو ستانے کے خوف سے کاریگروں کو اسی وقت سے بخار چڑھ آیا۔ مقبرے کی دیواروں کا ایک ایک کونہ ٹھونک بجا کر دیکھ لیا گیا، مگر بے سود۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ڈپٹی کمشنر بھی چکرا گیا۔ ایسے عجیب واقعات سے پہلے کبھی اس کا بھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آیا جو کچھ اس نے دیکھا وہ ٹھیک ہے، یا ڈیسوزا اور اسرار احمد وغیرہ کا بیان۔ اور دونوں میں سے وہ کسی کو رد نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ ڈیسوزا، یا اسرار جیسے پولیس کے پرانے اور تجربہ کار پولیس افسروں کا دماغ یقیناً خراب نہیں ہوا ہے۔ وہ بے سبب ایسا نہیں کہہ سکتے۔

شام سے پہلے پہلے وہ لوگ شہر لوٹ آئے۔ اور جب اس کیس کے چارٹ پر ڈیسوزا نے حسرت سے نظر ڈالی تو وہ آج بھی وہیں تھے جہاں سے انھوں نے تحقیقات شروع کی تھی،

Akram Allahabadi

بلکہ معاملات اور زیادہ پیچیدہ ہو گئے تھے۔کوئی عام سلسلہ جرائم ہوتا تو وہ کبھی کی اس کی بخیے ادھیڑ کر رکھ چکے ہوتے۔کوئی پراسرار وارداتِ قتل ہوتی تو اب تک قاتلوں کو ڈھونڈ کر انھوں نے جیل میں پہنچا دیا ہوتا،مگر یہاں تو معاملات ہی کچھ اور تھے۔

☆☆☆☆☆☆

مکمل دو دون پولیس ہر طرف ہاتھ پیر مارتی رہی۔سپرنٹنڈنٹ خان، لیڈی سارجنٹ اور اس لڑکی کی تلاش جو مقبرے میں غائب ہوئی تھی، چپے چپے میں کی گئی،لیکن کوئی ہلکا سا سراغ بھی نہ ملا۔اور بالآخر تن بہ تقدیر ہو کر وہ لوگ نئے حالات کا انتظار کرنے لگے۔بالے کو خان بغیر چین نہیں آتا تھا۔وہ سب سے زیادہ پریشان تھا۔دو دن سے خان کے بنگلے پر بھی ٹیلی فون کال کا تانتا لگا ہوا تا اور بے چارے غلام رسول کا جواب دیتے دیتے ناک میں دم آ گیا تھا۔نرگس کے کل ہی دو تین کال آ چکے تھے اور مجبور ہو کر بالے نے اسے فون پر ہی سارا واقعہ بتا دیا تھا،تب سے وہ خاموش تھی۔کسی تفریح میں بھی بالے کا دل نہیں لگ رہا تھا۔

آج وہ سہ پہر سے ہی خان کے بنگلے پر اپنے باہر والے کمرے میں منہ لپیٹے ہوئے پڑا تھا۔

شہر کے حالات متذبذب تھے اور فضا پر مکمل خاموشی ہوتے ہوئے بھی کوئی نہ جانتا تھا کہ کب کیا ہونے والا ہے۔

پولیس فورس ہر جگہ کسی بھی قسم کے اتفاقیہ حادثوں کے انسداد کیلیے تیار موجود تھی،لیکن وہ خود نہیں جانتے کہ کیا کرنا ہے،اور کیوں یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔

رات کے ٹھیک ساڑھے ۹ بجے تھے جب اچانک پولیس ہیڈ کوارٹرز میں ایک چونکا دینے والا وائرلیس کال موصول ہوا،تو رائٹر گھبرا گیا۔

پورا پیغام نوٹ کرتے ہوئے وہ عجیب سی ذہنیک خلفشار میں مبتلا تھا۔میسیج کے ختم

ہوتے ہی اس نے سب سے پہلے آئی جی پولیس کا فون ملایا۔آئی جی بنگلے پر ہی موجود تھے۔

''ہیلو،ہاں میں بول رہا ہوں۔''وہ بولے۔

''سر، پالول کے فضائی ہیڈ کوارٹرز کے وائرلیس اسٹیشن کو ایک عجیب سا پیغام ملا ہے۔''

''کیا ہمارا اس سے تعلق ہے؟''آئی جی نے پوچھا۔

''سر،انھیں مریخ کی نامعلوم دنیا کی طرف سے پیغام ملا ہے کہ آج کی رات ہمارے شہر پر وہ پراسرار آتشیں دائرے پرواز کریں گے۔''

''آتشیں دائرے؟''آئی جی فون پر ہی اچھل پڑے۔

''یس سر،اور ہمیں یہ چیلنج کیا گیا ہے کہ ہم ان کے ان معمولی حملوں کو بھی نہیں روک سکتے۔''رائٹر نے بتایا۔

''کیا مطلب؟''آئی جی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

''مجھے نہیں معلوم،سر۔اتنا ہی میسج ملا ہے۔اور فضائی ہیڈ کوارٹرز والوں کو بھی اتنا ہی پیغام ملا ہے۔''رائٹر نے بتایا۔

''مریخ سے؟''آئی جی نے دوبارہ پوچھا۔

''یس،سر۔''رائٹر بولا۔

''ہشت،کسی نے مذاق کیا ہوگا۔''آئی جی نے بے چارے بے قصور رائٹر کو ہی جھاڑ سنائی۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں،سر۔''رائٹر نے دبی زبان سے کہا۔

''اوہ،خیر۔''یہ کہہ کر آئی جی نے رسیور رکھ دیا اور اس عجیب لطیفے پر غور کرنے لگے۔ پھر کیا سوچ کر انھوں نے فون کا نمبر پولیس کمشنر سے ملایا اور انھیں بھی اس عجیب پیغام سے آگاہ کر دیا۔پولیس کمشنر بھی اسے کسی دلچسپ مذاق سے زیادہ اہمیت نہ دے سکا۔البتہ سرخ دائرے

Akram Allahabadi

کے ذکر نے اسے علیحدہ سے اس کے بارے میں کچھ سوچنے پر ضرور مجبور کر دیا۔

بہر حال اس پراسرار پیغام کو کسی نے بھی سنجیدگی سے نہیں لیا، نہ ہی اسے کوئی اہمیت دی گئی۔ ایک خفیف سی ہلچل کے بعد پولیس کے اعلیٰ حلقوں پر وہی مبہم خاموشی چھا گئی۔ ماتحت افسروں کو اس کا علم بھی نہ ہوا، مگر ابھی بمشکل دو گھنٹے ہی گزرے ہوں گے کہ آئی جی کو رات کے ساڑھے ۱۲ بجے سوتے سوتے چونک کر اٹھنا پڑا۔ ٹیلیفون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔

''ہیلو۔'' آئی جی نے نندا سے لہجے میں کہا۔

''میں خان بول رہا ہوں۔''

''خان صاحب۔'' آئی جی چونک پڑا۔ ''کہاں سے؟''

''نہ پوچھیے، عجیب سی جگہ ہے۔ بہر حال وقت کم ہے اور میں بہت ضروری اطلاع دے رہا ہوں۔''

''کہیے۔''

''آج رات کے پچھلے پہر میں ہمارے شہر پر ایک خوفناک اور تباہ کن تجربہ کیا جائے گا۔ غالباً ایک کی بجائے ایسی کئی سرخ دائرے شہر پر پرواز کریں گے۔'' خان نے بتایا۔

''کیا؟'' آئی جی سکتے میں رہ گئے۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں، صرف تین چار گھنٹے باقی ہیں، آپ جو کچھ انتظام کر سکیں، فوراً کیجیے۔''

''لیکن، کک... کیا... کیا جائے۔'' آئی جی گھبرا کر ہکلانے لگے۔

''جس قدر ممکن ہو، فضائی کوارٹرز سے کم از کم ٹریننگ والے ڈکوٹے حاصل کر کے فضائی پہرہ لگوا دیجیے۔''

''اور پبلک کو متنبہ کر دیجیے کہ وہ اپنے بچاؤ کیلیے مکانوں کی اوپر کی منزلیں چھوڑ دیں اور ویسے بھی کسی وقت بھی گھروں سے باہر نکل آنے کیلیے تیار رہیں۔'' خان نے بتایا۔

Akram Allahabadi

''عجیب مصیبت ہے۔'' آئی جی نروس ہونے لگے۔

''دیکھیے...وقت بہت کم ہے...'' کہتے کہتے خان کی آواز رک گئی۔

''مسٹر خان؟'' آئی جی فون پر چیخا۔

مگر دوسری طرف سپرنٹنڈنٹ خان کا جواب ملنے کی بجائے اسے ٹیلی فون پر ہی ایک دھماکہ سنائی دیا۔

جیسے جس جگہ سے فون کیا جا رہا ہو، وہاں کوئی چیز پھٹی ہو، یا بندوق پستول وغیرہ کا کوئی فائر ہو۔

پھر آپ سے آپ فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

آئی جی نے فوراً ہی ایکسچینج کا نمبر ملایا۔

''ہیلو، ابھی ابھی مجھے کہاں سے فون کیا گیا تھا؟'' آئی جی نے پوچھا۔

''ساری، کال ڈائرکٹ تھی۔''

''اوہ۔'' جھنجلا کر آئی جی نے لائنکٹ کر دی۔اور پھر پولیس کمشنر کو فون کرنے کیلیے ڈائل گھمانے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

ذرا سی دیر میں سارے شہر میں تہلکہ مچ گیا، جیسے کوئی قیامت آنے والی ہو۔پولیس اور فوج کی گاڑیاں ہر طرف متحرک نظر آنے لگیں،لوگ اپنے مکانوں کی کھڑکیوں سے سر نکال نکال کر اس صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اتنے میں لاؤڈ اسپیکر والے پولیس ٹرک بھی نکل پڑے اور شہر کی تمام آباد گزرگاہوں پر انھوں نے وہ ہنگامی اعلان نشر کرنا شروع کر دیا جس نے سارے شہر کو ایک دہشتناک سنسنی کی آغوش میں ڈال دیا۔ پبلک اٹینشن پلیز۔'' ہر لاؤڈ اسپیکر چیخ رہا تھا۔'' رات کے پچھلے پہر شہر کے اوپر تباہ کن آسمانی حملے کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔

پولیس ہر طرح ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کیلیے تیار ہے۔اس کے باوجود آپ کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اپنے مکانوں اور عمارتوں کی اوپری منزل، یا چھت والے حصے سے دور رہیں اور خطرے کا سائرن سنتے ہی اس بات کیلیے تیار ہو جائیں کہ جس وقت آپ کو ہدایت کی جائے آپ مع بال بچوں کے اپنے گھروں سے نکل آئیں۔اٹینشن پلیز۔''

ہوسکتا ہے کہ پولیس کیلیے خود یہ اعلان اتنا دہشت خیز نہ ہو، لیکن پبلک کیلیے تو تہلکہ خیز تھا۔ایک عجیب سا عالم ہوگیا۔ ہر ایک گھر میں چیخ و پکار ہونے لگی۔کوئی اپنے بال بچوں کو سینے سے لگانے لگا، کہیں قیمتی زیورات اور نقدیاں سنبھالی جانے لگیں۔ذرا سی دیر میں پوری شہری زندگی ایک سوہانِ روح خلجان کا شکار ہوگئی۔ ہنستے ہوئے لبوں پر تالے پڑ گئے۔ چہ میگوئیوں کی جگہ خوفزدہ پیشین گوئیوں نے لے لی، جیسے کسی قیامت کے آنے سے پہلے ہی ہنگامہ ہو رہا ہو۔ بہت سے کمزور دل کے مرد اور عورتیں تو ابھی سے زندگی سے ہاتھ دھونے کی فکر لے بیٹھی تھیں۔نہ جانے کتنے آدمیوں کو اختلاج ہونے لگا، لیکن شاید بچوں کو نہ قیامت کا ڈر تھا، نہ کسی مصیبت کا خطرہ۔ وہ سب کچھ سن رہے تھے اور پھر بھی ان کے معصوم چہرے ہر قسم کی گھبراہٹ کے آثار سے سادا اور مگن تھے۔ وہ اس وقت بھی اپنے گھروں میں ہنستے کھیلتے پھر رہے تھے۔اور انھیں دیکھ دیکھ کر ان کے ماں باپ کی آنکھوں میں پیش آنے والے خطرے سے آنسو آجاتے تھے۔

پورے شہر کیہ ہشاش بشاش دنیا چند لمحوں میں خوف و مایوسی کی گرفت میں سکڑ گئی تھی۔

پولیس کے پہرے علاقے اور ہر چوراہے پر بیٹھ چکے تھے۔بلند عمارتوں کی چھتوں پر ایک ایک دو دو اور تین تین فوجی سپاہی جن کے پاس لمبی باڑھ والی مشین گنیں تھیں، چڑھا دیے گئے تھے۔

شہر کے تین حصوں میں اینٹی ایئر کرافٹ گنز نصب کی گئی تھیں، جو فوجی فولادی ٹینکوں

پر تھیں۔

پولیس اور فوج کے یہ انتظامات اتنی تیزی سے عمل میں آئے تھے کہ لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ اور ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد ہ فضائی تربیتی ڈکوٹے بھی آسمان میں پرواز کرتے نظر آنے لگے۔ فضائی ہیڈ کوارٹرز کے پٹرولنگ راڈر حرکت میں آ گئی۔ ان طیاروں کے پاس چھوٹے پیمانے کے بم بھی تھے جو اتفاقی ضرورت کیلیے رکھے گئے تھے۔ ویسے ان میں سے ہر ایک پائلٹ کے ساتھ ایک پولیس آفیسر لمبی اور مسلسل مار والی اسٹین گن لیے سوار تھا۔ یہ سارے انتظامات رات کے ۲ بجے تک بالکل مکمل ہو گئے۔ آہنی گاڑیوں میں دوسرے پولیس آفیسروں کے علاوہ خود پولیس کمشنر، ڈپٹی کمشنر پاتل، ڈی سی پی نپت اور آئی جی ڈی وغیرہ علیٰحدہ علیٰحدہ علاقوں میں گشت لگا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

''ارے، تم یہاں؟'' سلاخوں کے پیچھے سے ایک حیرت زدہ، مگر دبی ہوئی آواز نکلی۔

''جی۔'' آنے والی خوبصورت سی لڑکی نے آہستہ اور لچکتی ہوئی آواز میں کہا۔

''لیکن تم آئیں کیسے؟''

''یہ پھر بتاؤں گی، پہلے مجھے بتایے آپ آزاد کس طرح ہو سکتے ہیں؟''

''اس سلاخوں والے دروازے کا تعلق اس کرین سے ہے جو لفٹ چلاتی ہے اور اس کا آپریٹنگ سوئچ اس بلیک باس کے کمرے میں ہے۔''

''بلیک باس؟''

''ہاں وہی دراصل اس خطرناک گروہ کا لیڈر ہے۔ وہ ہر وقت ربڑ کا سیاہ لباس پہنے رہتا ہے۔''

''لیکن آپ ان سلاخوں کے پیچھے کیسے پہنچ گئے؟''

''میں نے ان کے داخلی ٹیلیفون کی لائن میں بیچ میں انویسٹیگیٹر کنکشن لگا کر ان کی آپس کی گفتگو سن لی تھی اور جس وقت میں فون پر آئی جی پولیس کو اس کی اطلاع دے رہا تھا، اچانک دھر لیا گیا۔''

''اوہ، تو یہ آپ کا ہاتھ؟''

''یہ ان میں سے ایک آدمی کی پستول کی گولی سے زخمی ہوا ہے۔ میرے سیدھے ہاتھ میں رسیور تھا، اس لیے میں الٹے الٹے سے اپنا پستول جلد نکال نہ سکا۔''

''پھر اب میں کیا کروں؟''

''میں کسی نہ کسی طرح آزاد ہو ہی لوں گا۔ ان لوگوں کا پروگرام بہت خطرناک ہے۔ کسی طرح ان کی سپر ریج الیکٹرانک مشین کو بے کار کرنا ہے، ورنہ یہ سارے شہر کو تباہ کر دیں گے۔ آج کے دن انھوں نے اپنے تمام آدمیوں کو لوٹ کی عام دعوت دی ہے۔''

''باپ رے، اب کیا ہوگا؟'' وہ حیرت و خوف سے چونک پڑی۔

''صرف ایک ہی صورت ہے۔ اس مشین میں ایک ریڈیم ری ایکٹنگ پلیٹ لگتی ہے، جو صرف اس سے کام لینے کے وقت اس کا لگایا جاتا ہے ورنہ وہ بلیک باس اسے نکال کر بڑے احتیاط سے اپنے پاس کہیں محفوظ کر دیتا ہے۔ اگر وہ حاصل ہو جائے تو ان کی مشین بہ وقت بے کار ہو جائے گی۔''

''تب تو بڑی مشکل ہے۔''

''خدا کیلیے، نرگس، ہو سکے تو اپنی جان پر کھیل کر بھی ان ہزاروں بے گناہوں کی جانیں بچاؤ جو اس کے تباہ کن کسی حملے کا شکار ہوں گے۔'' اس نے لڑکی سے التجا کی۔

''میں آپ کے اشارے پر سر بھی دے سکتی ہوں، میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گی، آپ بھروسا کیجیے۔'' نرگس نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا، اس

کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

''دیکھو سلاخ سے ہاتھ نہ چھو جائے، یہاں کی ہر چیز الیکٹریفائیڈ ہے۔'' خان نے اسے تنبیہ کی اور اس نے دونوں سلاخوں کے بیچ میں اپنے ہاتھ معلق رکھے۔

''شاید کوئی آ رہا ہے۔'' نرگس نے جلدی سے دونوں ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

''میں جاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اس پر ایک آخری نظر ڈالتی ہوئی چند قدم چل کر پتھریلے زینے پر غائب ہو گئی۔

اس کے جانے کے بمشکل دو منٹ بعد ہی اس مقام کی ایک طرف کی دیوار ایک گونج کے ساتھ پھٹی اور اس میں سے ایک تقریباً ۵ فٹ چوڑا ۸ فٹ لمبا دروازہ پیدا ہو گیا، جس کے اندر کی طرف ایک کرسی پر وہ بلیک باس بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اس پر سے اتر کر باہر نکل آیا۔ اس کا رخ سپرنٹنڈنٹ خان کی طرف تھا، جو سلاخوں کی آڑ میں تھا۔

''کہو ہندوستان کے ممتاز سراغ رساں، کیسے مزاج ہیں تمہارے؟'' اس کے لہجے میں طنز تھا۔

''بڑے آرام سے ہوں، آپ کی عنایت ہے۔'' خان نے مسکرا کر کہا۔

''اخاہ، رسی تمام جل گئی پر بل نہیں گیا۔ جانتے ہو کہ چند گھنٹوں کے مہمان ہو، مگر اکڑ وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔''

''ہونہہ، یہ تمہارے بچکانے چٹکلے اس قدر قابلِ فخر نہیں ہیں۔'' خان نے سر کو جھٹک کر جواب دیا۔ ''میں نے تم جیسے بہت سے سر پھرے دیکھے ہیں جو محض ایک ایجاد کر کے دنیا کو فتح کر لینے کے خواب دیکھتے دیکھتے مر گئے۔'' وہ بولا۔

''خوب، ہاہاہا...'' وہ قہقہہ مار کر ہنسا۔ ''اس اندھے کو کیا کیا جائے جو آنکھوں کے سامنے واقع ہونے والی حقیقت کو خواب کہے۔''

''تم بیوقوف ہو، زندگی اتنی محدود چیز نہیں۔''

''وہ تو ابھی صرف دو گھنٹوں کے بعد معلوم ہو جائے گا، جب تمہارا سارا شہر اپنی زندگی چند منٹوں کیلیے محدود سمجھنے لگے گا۔'' سیاہ پوش بلیک باس نے کہا۔

''آخر تم چاہتے کیا ہو؟''

''ایک طاقت اور خود مختاری کی دنیا، ایک عیش کی زندگی اور خوب صورت جوان لڑکیاں۔'' وہ بڑے بے تکلفانہ انداز میں بولا۔

''کیا دوسروں کی جانیں تباہ کیے بغیر یہ ممکن نہیں ہے؟''

''ممکن، ہونہہ، ناممکن دنیا میں کچھ بھی نہیں، لیکن دنیا اسی کا لوہا مانتی ہے جس کی مٹھی میں اس کی جان ہو۔'' وہ اپنی ایک ہاتھ کی مٹھی بھینچ کر بولا۔

''تو تم شاید خدائی کا دعوا کرنے جا رہے ہو۔''

''میں کسی چیز کا قائل نہیں، صرف طاقت کا قائل ہوں اور ابھی تک تو تم نے میرے صرف معمولی تجربے دیکھے تھے، آج اس طاقت کا مظاہرہ دیکھنا، تب تمہیں صحیح اندازہ ہوگا۔''

''شاید وہ وقت نہ آ سکے گا۔''

''آئے گا، اسی لیے تو میں نے تمہیں زندہ رکھا ہے، تاکہ تم ایک عظیم انسان کی عظیم طاقت کا مظاہرہ دیکھنے سے محروم نہ رہو۔'' وہ دوسرا قہقہہ مار کر بولا۔

''بڑی مکروہ ہنسی ہے تمہاری۔'' خان بولا۔

''آخری وقت سے پہلے آدمی کی یہی کیفیت ہو جاتی ہے، اسے ہر چیز مکروہ لگتی ہے۔ بہر حال تمہیں کچھ چاہیے تو نہیں؟''

''دو گے؟''

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ مرنے سے پہلے کم از کم ایک خواہش تو ضرور پوری کی جائے گی۔''

''میں نے بہت دیر سے سگریٹ نہیں پی ہے۔ تمہارے آدمی بڑے ندیدے معلوم

ہوتے ہیں، وہ میری سگریٹ تک جیب سے نکال کے لے گئے۔''

''بس، اتنی سی بات، میں تو سمجھا تھا کہ شاید تم اس وعدے کے سہارے مجھ سے تھوڑی دیر کی آزادی مانگو گے۔''

''آزادی مانگنے سے نہیں ملا کرتی۔'' خان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''خیر، لو تم سگریٹ پی سکتے ہو۔'' اس نے اندرونی جیب سے سگریٹ کیس نکال کر اس کے سامنے پھینک دیا اور ساتھ ہی ایک ماچس۔ خان نے اس میں سے سگریٹ نکال کر جلالی، لیکن جس وقت وہ ماچس سے تیلی نکال رہا تھا، کسی نیت سے اس نے اس میں کی تین چار تیلیاں اور نیچے گرادیں، جس کا بلیک باس نے خیال نہ کیا۔

سگریٹ سلگانے کے بعد اس نے ماچس اور سگریٹ کیس اسے واپس کر دیا۔

''یہاں کے حراست خانوں کو پہرے داروں کی ضرورت نہیں پڑتی، کیوں، ہے نا اچھی بات؟'' اس نے خان سے سوال کیا۔

''ہاں، اچھا انتظام ہے۔'' خان نے تعریف کی۔

''اچھا تو میں چلتا ہوں۔ اور ہاں، میں زیادہ بد اخلاق نہیں، تمہاری لاش صبح تمہارے گھر پہنچادی جائے گی۔''

''شکریہ اس بلند اخلاقی کا۔'' خان سگریٹ کا ایک لمبا سا کش لیتے ہوئے بولا۔

''واقعی آدمی زندہ دل ہو، مگر کاش تم پولیس سپرنٹنڈنٹ نہ ہوتے۔'' یہ کہہ کر وہ مسکراتا ہوا پھر دیوار کے اس شگاف میں کرسی پر جا بیٹھا۔ کرسی آپ سے آپ اوپر کی طرف اٹھنے لگی اور شگاف بند ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ دیوار پہلے کی طرح صحیح سالم ہوگئی اور یہ جاننا بھی مشکل ہوگیا کہ یہاں کوئی خلا پیدا ہوا ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

یہ ایک عجیب سا مقام تھا جس کے سرے ہی نہ ملتے تھے۔ جیسے کوئی زمین دوز بَدرَو دُور تک چلا گیا ہو۔ یہاں آکسیجن کہاں سے پہنچتی تھی، بظاہر یہ بھی نظر نہ آتا تھا۔ البتہ یہاں ایک بدبو دار گھٹن سی محسوس ہوتی تھی اور سانس لینے میں اندر سے کافی بلغم آتا۔ پتلی پتلی راہداریوں کے ساتھ یہاں لمبے لمبے کمروں کے سلسلے جنہیں مختلف ضرورتوں کیلیے آراستہ کیا گیا تھا۔ ان میں سے بعض میں مشینیں نصب تھیں، جن کے کام نا معلوم تھے۔ البتہ یہ سلسلہ آگے جا کر ایک چور دروازے والی راہ داری پر ختم ہوجاتا تھا، جس کے دوسری طرف بلیک باس کا اپنا کمرہ اور اس کی تجربہ گاہ تھی۔ اور اس کے پیچھے کیا تھا، یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ ان تمام کمروں اور راہ داریوں کی دیواریں پتھریلی تھیں اور ان سے ایسی بو نکلتی تھی جیسے صدیوں پرانی ہوں۔ البتہ ان میں نصب کردہ اشیا پرانی نہیں تھیں۔

☆☆☆☆☆☆

وہ بڑے احتیاط سے ہولے ہولے قدم رکھتی جب پتھریلی سیڑھیاں طے کر کے اوپری حصے پر پہنچی تو سامنے ہی ایک موٹا سا بھدا سا آدمی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''آؤ آؤ، جانِ من۔'' وہ بولا۔ ''میں تو ڈر رہا تھا کہ کہیں تم پر بلیک باس کی نظرِ عنایت نہ ہوگئی ہو۔'' اس نے اسے ایک ہاتھ سے پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا۔ وہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔

''اور کچھ سنا تم نے، وہ پولیس سپرنٹنڈنٹ جس کی قید سے تم بھاگی ہو، وہ بھی پکڑ لیا گیا ہے، بلیک باس نے اسے یہیں رکھا ہے۔''

''اچھا؟ نرگس نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔ ''تب تو بڑا اچھا ہوا۔'' اس نے لہجے کو مسرور بناتے ہوئے کہا۔

''اب ہم آزادی سے رہ سکیں گے۔'' وہ اسے اپنی آغوش میں لینے کی کوشش کرتے

ہوئے بولا۔

''تمہارا بلیک باس آرہا ہوگا نا۔''اس نے اس کی گرفت سے بچتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ،وہ ہوگا اپنی تجربہ گاہ میں۔آج اسے فرصت کہاں۔''

''تجربہ گاہ۔یہ کیا ہوتی ہے؟''نرگس نے محبوبانہ انداز میں کہا۔

''بڑی عجیب جگہ ہوتی ہے۔''وہ بولا۔

''اوں ہوں،ہمیں بھی دکھاؤ۔''وہ بچوں کی طرف مچل گئی۔

''تم دیکھو گی؟''وہ سوچ میں پڑ گیا۔''اچھا تو آؤ،مگر صرف ایک سوراخ سے جھانک کر دیکھنا،ورنہ بلیک باس کو ذرا سا بھی شک ہوگیا تو بجلی کے ایک کرنٹ سے جلا کر بھسم کردے گا۔اس کے پاس ایک دوربین نما توپ ہے،جسے داغتے ہی اس میں سے آگ کا ایک گولہ نکل کر پھٹتا ہے اور پھیل کر ایک سرخ اور روشن دھوئیں کے ڈائرے کی طرح بڑی تیزی سے اڑتا ہے،جسے اس کی ذرا بھی آنچ لگ جائے،وہ جل کر بھسم ہو جاتا ہے۔''اس آدمی نے بتایا۔

''باپ رے،یہ تو بڑی خطرناک چیز ہے۔''وہ حیرت سے منہ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''چلو چلو،ابھی موقع ہے۔اس وقت اس کی تجربہ گاہ کی مشینیں چالو نہ ہوں گی،میں تمہیں دکھائے دیتا ہوں۔''

''مگر تمہیں کیسے معلوم کہ وہ تجربہ گاہ میں ہے؟''

''وہ دیکھو،وہ کونے پر جو ہلکی سرخ روشنی ہو رہی ہے،ایسی روشنی ہر کمرے میں ہوتی ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ بلیک باس تجربہ گاہ میں ہے،کوئی اس طرف جانے کی ہمت نہ کرے۔اور اگر اس کی جگہ اس کے پاس والی ہری لائٹ روشن ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنی خواب گاہ میں ہے اور اگر دونوں میں سے کوئی روشن نہ ہو تو...''

''تو اس کا پتہ نہیں ہے،یہی نا؟''نرگس نے باقی جملہ پورا کر دیا۔

Akram Allahabadi

''ہاں، سمجھ دار ہو۔ اچھا آؤ چلو۔'' یہ کہہ کر وہ اسے کا ہاتھ تھامے آہستہ آہستہ قدم رکھتا اس راہ داری کی طرف ہولیا، جس کے اوپر وہ روشنیاں چمک رہی تھیں۔ اس نے دیوار میں لگے ہوئے ایک پتھر کے پھول کی ایک پنکھڑی طاقت سے اندر کی طرف دبا دی۔ اس سرخ روشنی کے بالکل نیچے ایک دروازہ پیدا ہوگیا۔ وہ اسے لے کر اس میں داخل ہوگیا۔ یہ ایک تنگ اور تاریک گزرگاہ تھی، جس میں کافی فاصلے سے ہلکی روشنی کے بلب لگے ہوئے تھے۔ اس کے اختتام پر راستہ بند تھا۔ یہاں کھڑے ہو کر اس نے دیوار کی جڑ میں لگے ہوئے پتھر کے ایک چوکور ٹکڑے کو پیر سے نیچے دبایا۔ اس کے اندر دھنستے ہی ایک کھڑکی دیوار میں پیدا ہوگئی اور وہ بغیر آہٹ کیے اس میں اتر گئے۔ یہ کاریڈور ذرا صاف ستھری اور روشنی دار تھی۔ یہاں انھیں سانس روک روک کر قدم اٹھانا پڑا۔ تقریباً ۵۰۔۶۰ قدم چل کر انھیں دائیں ہاتھ پر ایک سرخ روشنی نظر آئی اور بائیں ہاتھ ۔۔۔ روشنی ایک بلب کی تھی، جس کا ہولڈر ایک ٹیڑھی راڈ میں لگا ہوا تھا۔ اس نے اس راڈ کو پکڑ کر باہر کھینچ لیا اور دیوار میں پوشیدہ دروازہ کھل گیا۔

''بس اب ہم اس کی تجربہ گاہ میں پہنچ رہے ہیں، خبردار جو ذرا سی بھی آہٹ ہوئی تو اپنا معاملہ خلاص۔'' اس نے منہ پر انگلی رکھ کر سرگوشی کے لہجے میں اسے سمجھایا۔ چند قدم چل کر وہ ایک ایسی جگہ رک گئے، جہاں ایک باریک سی عجیب سی گونج سنائی دے رہی تھی اور ایک طرف دیوار میں ایک آہنی پٹی پڑی تھی، جس پر اوپر تلے تین بٹن لگے ہوئے تھے۔ اس نے ایک بٹن دبا دیا، دیوار میں ایک چھوٹا سا خلا پیدا ہوگیا۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔

''ارے، بلیک باس اس وقت نہیں ہے اندر۔ شاید ابھی ابھی چلا گیا ہوگا۔'' وہ بولا۔

''تو ٹھیک ہے، پھر دکھاؤ مجھے۔''

''بڑا خطرناک کام ہے۔'' وہ سوچ میں پڑ گیا۔ ''اچھا دیکھو ایک صورت کرتے ہیں، تم اندر جاؤ، میں باہر ٹھہر کر نگرانی کرتا ہوں، ورنہ کسی کو ذرا بھی شبہ ہوگیا تو سمجھ لو معاملہ ختم۔'' اس نے کہا۔

''لو میں دروازہ کھولے دیتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے دوسرا بٹن دبایا، جس کے ساتھ ہی بغیر آواز کیے دیوار میں ایک دروازہ پیدا ہوگیا۔ اور وہ مسکراتی ہوئی اندر چلی گئی۔ وہ دروازہ پھر بند ہوگیا، لیکن اسے پوری طرح بند نہیں کیا گیا، ذرا سی درز باقی رہ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆

اندر نہ جانے کیسے کیسے سائنسی آلات اور چھوٹی بڑی مشینیں نصب تھیں، لیکن وہ خان کے بتائے ہوئے ریڈیم پلیٹ کی تلاش میں تھی۔ خان نے اسے اس کی شکل بھی سمجھادی تھی۔ میزوں کی درازیں اور روشنیوں کے ڈھانچے دیکھ ڈالنے کے بعد، نہ جانے کیا سوچ کر وہ اس بھیڑیے کی مورتی کو دیکھنے لگی، جو بے سبب کتابوں کی ایک الماری کے پاس رکھی تھی۔ وہ بہت خوفناک معلوم ہوتی تھی۔ محض شرارتاً اس نے اس کی دونوں چمکتی ہوئی آنکھوں میں اپنی انگلیاں ڈال دیں۔ آنکھوں کے ڈھیلے اندر کی طرف دب گئے اور اس کے ساتھ ہی پیچھے رکھی ہوئی الماری پلٹنے لگی، یہاں تک کہ اس نے پورا پلٹا کھالیا اور اب اس کے سامنے ایک دوسری فولادی الماری تھی۔

اسے کھولا کیسے جائے۔ وہ یہی سوچ رہی تھی، لیکن اس کی مشکل خود ہی حل ہوگئی، جب اس نے اس کے ایک ہینڈل کو دبایا۔ ایک دراز آپ سے آپ باہر نکل پڑی اس میں بہت سے ڈبے رکھے ہوئے تھے اور ایک سیاہ رنگ کے ڈبے پر لکھا ہوا تھا، ریڈیم پلیٹ۔ اس نے جلدی سے اسے باہر نکال لیا اور اس جگہ سے ہٹ کر سامنے پڑی ہوئی میز کے پاس آ بیٹھی، جس کے پیچھے ابیض پر وہ لٹک رہا تھا۔ اس نے ڈبے کو میز پر رکھ کر کھولا، اس کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ بطخ کے انڈے کے برابر کوئی ہیرے سے بھی زیادہ چمکیلی چیز اس کے سامنے تھی۔ اس نے اسے ڈبے سے نکال کر سامنے رکھا اور دیکھنے لگی، لیکن ٹھیک اسی وقت کسی کے قدموں کی آہٹ سن کر وہ چونک پڑی۔ وہ جلدی سے پردے کی آڑ میں ہوگئی۔ اس نے اپنی

کمر میں چھپا ہوا خنجر نکال لیا۔ کیونکہ موقع نازک تھا۔ اس نے دیکھا پردے کے دوسری طرف سے ایک مضبوط ہاتھ اس ڈبے کی طرف بڑھا اور جیسے ہی وہ چاہتی تھی کہ خنجر کا وار کرے۔ ایک دوسرے ہاتھ نے اس کی کلائی مضبوطی سے تھام لی اور سارا کمرہ ایک خوفناک قہقہے سے گونج اٹھا۔

''یہ ہاتھ کتنے نرم و نازک ہیں۔'' ہاتھ پکڑے والے نے اس کے گورے گورے ہاتھ کو مسلتے ہوئے کہا۔ اس کے ہاتھوں پر سیاہ ربڑ کے دستانے چڑھے تھے۔ نرگس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

''ڈر گئیں، ہشت، میں اتنی حسین، اتنی بھرپور اور اتنی خطرناک لڑکی کو کوئی بری سزا نہیں دوں گا۔ مجھے چالاک لڑکیوں کو پیار کرنے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ کیوں ہے نا۔'' یہ کہہ کر وہ اس کے سامنے آ گیا۔ وہ کوئی قد آور اور تندرست آدمی تھا۔ ربڑ کے چہرے پر کسے ہوئے نقاب کے خانوں سے اس کی آنکھیں، جن میں سرخ سرخ ڈورے تھے، اسے گھور رہی تھیں۔

''ریڈیئم لینے آئی تھیں نا؟ مگر تعجب ہے کہ تم نے خود کو اتنا عقلمند کیسے سمجھ لیا۔'' اس کا لہجہ ترش نہیں تھا، مگر اس میں بڑا چبھا ہوا طنز تھا۔ نرگس پھر بھی اس سے کچھ نہ بولی۔

''اور وہ الو کا پٹھا جمشید جو تمہیں ملا تھا، آؤ میں تمہیں دکھاؤں، وہ اب تک دروازے پر پہرہ دے رہا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ نرگس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹتا ہوا دروازے تک لایا اور اس نے اچانک دروازہ اندر سے اچانک کھول دیا۔ پٹ کے کھلتے ہی اس بھدے سے موٹے جمشید کی لاش کٹے ہوئے لٹھے کی طرح اندر کی طرف فرش پر آ گری۔ اس کا رنگ ایک دم سیاہ ہو رہا تھا اور اس میں اس کی کھلی ہوئی آنکھوں کے سفید سفید دیدے دھنس گئے تھے۔ اور اس کی شکل بڑی بھیانک معلوم ہو رہی تھی۔

''میں غداروں کو ایسی ہی سزا دیتا ہوں۔ یہاں کی دیواروں تک میں ہر وقت کرنٹ دوڑتا رہتا ہے اور کب کس کی موت آ جائے، یہ اس کی اپنی وفاداری پر منحصر ہے۔'' وہ بھاری اور

مغرور لہجے میں بولا۔

''اگر یہ شخص ہر خوبصورت عورت کیلیے جذباتی طور پر پاگل ہو جانے کا عادی نہ ہوتا تو بڑے کام کا آدمی تھا۔'' بلیک باس نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا، یا دوسرے الفاظ میں اس کی موت تم ہو۔

نرگس اب تک خوفزدہ نظروں سے جمشید کی ڈراؤنی لاش کو دیکھ رہی تھی۔

''میں جو ارادہ کر لیتا ہوں پھر اسے کوئی نہیں روک سکتا۔'' وہ کمرے کے بیچ کے حصے کی طرف گھسیٹتے ہوئے اور پھر اچانک اس نے اسے زور سے اپنی باہوں میں لے کر اس کا ایک طویل بوسہ لے لیا۔ وہ اتنا طاقتور تھا کہ نرگس تڑپ کر بھی نہ چلا سکی، نہ اس کی گرفت سے نکل سکی۔ پھر اس نے خود ہی اپنی گرفت ڈھیلی کر دی۔

''یہاں بیٹھ جاؤ۔'' وہ کرسی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ اور وہ چپ چاپ اس کرسی پر بیٹھ گئی۔

بلیک باس نے اپنی میز میں لگے ہوئے ایک بٹن کو دبایا جس کے ساتھ ہی وہ کرسی اسے لے کر ایک دم نیچے چلی گئی، جہاں سے اس کی چیخ بھی سنائی نہ دے سکے۔ کرسی کی جگہ پیدا ہونے والا چوکور خلا آپ سے آپ پر ہو گیا۔ پھر اس نے میز کے قریب رکھے ہوئے بکس نما ریڈیو اسکرین کا سوئچ آن کر دیا اور نمبر ۵ پر لیور گھماتے ہی اس میں اس جگہ کا منظر صاف نظر آنے لگا، جہاں سپرنٹنڈنٹ خان قید تھا۔ وہ اس مشین کا ایک اور سوئچ آن کرتے ہوئے اس پر جھک کر بولا۔

''ہیلو، ڈیئر جاسوسِ اعظم، میں نے تمہاری چوہیا کو پکڑ کر اپنے تہ خانے میں قید کر دیا ہے، تمہیں کوئی اعتراض بھی نہ ہونا چاہیے اگر میں اسے پسند کر لوں، اچھی چیز ہے۔''

اس کی آواز سپرنٹنڈنٹ خان کے کمرے میں گونجنے لگی اور وہ چاروں طرف نظریں دوڑا کر یہ سمجھنے کی کوشش کرنے لگا کہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔

Akram Allahabadi

''لاحاصل ہے، میں تمہارے آس پاس نہیں ہوں، مگر خیر، اب تیار ہو جاؤ، میری طاقت کا مظاہرہ دیکھنے کیلیے۔''

''یہ تمہاری آخری رات ہے نا۔''

خان کو پھر آواز سنائی دی اور اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرے میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ بلیک باس کی دھمکی محض دھمکی نہ تھی، وہ تھوڑی دیر بعد ہی اس خطرناک ترین آتشیں دائرے کی مشین کو استعمال کرنے والا تھا، جس سے سارے شہر کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ اندر کی جیب سے اس نے کاغذ کی ایک پڑیا نکالی، اس میں باریک باریک دانوں والا ایک سفوف تھا۔ اس نے ایک تلی سے اس سفوف کو ایک سلاخ کی جڑ میں بھر دیا اور چاروں طرف احتیاطاً نظر دوڑانے کے بعد ماچس کی ایک تیلی کو اپنے جوتے کے تلے پر رگڑ کر جلایا، اس جلتی ہوئی سلائی کو اس نے دور ہی سے اس سفوف پر پھینک دیا۔ سفوف کے آگ پکڑتے ہی ایک دھماکہ ہوا اور وہ سلاخ نیچے سے اکھڑ کر گر پڑی۔ ایک منٹ گنوائے بغیر ہی خان پھرتی سے اس خلا میں سے باہر نکل گیا۔ اس کے ایک منٹ بعد ہی پتھریلے زینے پر قدموں کی آواز سنائی دی اور بلیک باس کے آدمی آ پہنچے، لیکن قید خانے کا دروازہ ایک ٹوٹی سلاخ لیے سامنے تھا اور قیدی کا پتہ نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

شہرِ آشوب

شہر کی ہر سڑک پر پولیس گشت کر رہی تھی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ماحول کی سنسنی بڑھتی جا رہی تھی۔ لوگ گھروں میں سہمے سہمے نظر خطرے کے سائرن کا انتظار کر رہے تھے۔ آئی جی نے خان کا میسج اچانک کٹ کرتے ہوئے، ڈیسوزا، سارجنٹ بالے اور دوسرے سی آئی ڈی کے عملے کو چاروں طرف پھیلا دیا تھا، کہ وہ کہیں جا کر کسی طرح سپرنٹنڈنٹ خان کا سراغ نکالیں۔ یقیناً ان کی جان خطرے میں ہے۔ اسرار، ابراہیم، رؤف اور دوسری جونیئر یونٹیں بھی شہر کی ہر امکانی جگہ پر اسے تلاش کر رہے تھے۔ آئی جی سے خان کے فون پر دھماکے، یا فائرنگ کی خبر سن کر وہ بہت پریشان تھے۔ اسی گھبراہٹ میں بالے نرگس کے یہاں بھی پہنچ گیا۔ لیکن اسے بھی غائب پا کر وہ اور پریشان ہو گیا۔ اسے اس بات کا اور زیادہ یقین ہو گیا کہ حالات اور زیادہ پیچیدہ اور خطرناک ہو گئے تھے۔ مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اس کی کیفیت مجنونانہ ہو رہی تھی۔ یونہی بلا سوچے سمجھے اس نے اپنی موٹر سائیکل پھر ایک بار افضل خان کے تاریخی اور آسیبی مقبرے کی طرف دوڑا دی۔ کم از کم وہ ان ہی اطراف میں بھٹکنا چاہتا تھا۔ یہاں سپرنٹنڈنٹ خان غائب ہوا تھا۔ اور یہاں شہر میں پولیس پوری طرح مستعد اور چوکنی ہوئی سی کسی آنے والے خطرے کا انتظار کر رہی تھی کہ اچانک ہیڈ کوارٹرز میں وائرلیس رسیور اسپارک کرنے لگے۔

''ایئر آپریشن کالنگ اچ کیو۔ ایئر آپریشن کالنگ اچ کیو اوور۔''

''یس، پولیس ہیڈ کوارٹرز اٹنڈنگ اوور۔''

''دور شمال میں ایک شرخ اور روشن سی چیز پرواز کرتی نظر آ رہی ہے اوور۔'' ادھر سے گھبرائی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

Akram Allahabadi

''او کے، ہولڈ پلیز، میں وارننگ نشر کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر رائٹر نے تمام وائرلیس پٹرولنگ ٹرکس اور آفیسرز کو ایمرجنسی الرٹ میسیج نشر کرنا شروع کر دیا۔

''پولیس اٹینشن پلیز، ایچ کیو کالنگ اوور۔ خطرہ سر پر آ گیا ہے اوور۔ آل اسٹیشنز اینڈ پٹرولنگ یونٹس الرٹ پلیز، اوور۔'' جواب میں انڈیکیشن بورڈ پر کئی باریک باریک بلب ٹمٹما اٹھے۔

''ایئر آپریشن رپورٹ، وہ سرخ دائرہ دور شمال پر پرواز کرتا دکھائی دے رہا ہے، مگر اس کے پیچھے اور بھی ہیں؛ وہ ...وہ قریب...'' اور یہ کہتے کہتے وائرلیس پر ہی کسی مشین گن کے چلنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ رائٹر نے وہی پیغام چاروں طرف پھیلا دیا اور تمام علاقوں میں پولیس حرکت میں آ گئی۔ سائرن تھا، یا صورِ اسرافیل، اس کے بجتے ہی لوگوں کے ہوش اڑنے لگے۔ ایک عجیب سی بھگدڑ مچ گئی، جیسے اچانک کوئی بہت بڑا طوفان آ گیا ہو۔ مرد، عورتیں، بچے سب گھبرا کر مکانوں سے نکل پڑے۔ سڑکوں پر پولیس اور فوج کی گاڑیاں تیزی سے نقل و حرکت کرنے لگیں اور لاؤڈ اسپیکروں سے پبلک کو پرسکون رہنے کی ہدایت کی جانے لگی۔

اچانک بیک وقت ہزاروں خوفزدہ چیخوں کی آواز فضا میں گونج گئی۔ آسمان پر ایک دھماکہ ہوا اور ایک آگ کے شعلوں میں لپٹا ہوا زمین کی طرف گرنے لگا۔ اسی کے ساتھ ہی وہ پراسرار سرخ روشنی کا دائرہ بڑی تیزی سے گردش کرتا ہوا آسمانی فضا میں ان کے سروں پر سے گزر گیا۔ وہ خوف و دہشت سے آنکھیں میچ کر رہ گئے۔ ان کے دل کانپنے لگے۔ اچانک ایک دوسرا زبردست دھماکہ ہوا اور شہر کے بڑے چوک والے گرجا گھر کا سر بفلک مینارہ دھڑ دھڑاتا ہوا زمین پر آ رہا۔ نہ جانے کتنے آدمی اس میں دبے ہوں۔ پولیس اور فائر بریگیڈ کے امدادی دستے فوراً دوڑ پڑے، مگر وہ تباہ کن سرخ دائرہ اپنی اسی رفتار سے آگے جا چکا تھا۔ لوگ بے تحاشا سڑکوں پر بھاگنے لگے تھے، جس کی وجہ سے پولیس کی گاڑیوں کو راستہ ملنا مشکل ہو گیا۔ اس طرف یہ ہنگامہ آرائیاں جاری تھیں کہ مشرقی علاقے سے وائرلیس کال آنے لگے۔ وہاں انڈیا

انشورنس کی سات منزلہ عمارت کے اوپر ایک سرخ دائرہ تھما ہوا تھا اور بلڈنگ میں آگ لگی تھی۔

ہر شہر کے مختلف علاقوں سے وہی خبریں آنے لگیں اور آسمان پر یکے بعد دیگرے کئی سرخ دائرے پرواز کرتے دیکھے گئے۔ شہر کی اس ہنگامی فضا میں اینٹی ایئر کرافٹ گنوں کی گولے اگلنے کی آوازیں مشین گنوں کا شور اور بھیک زیادہ تہلکہ خیز ہو رہا تھا، لیکن ان دائروں پر کوئی چیز اثر نہ کرتی تھی۔ وہ صرف سرخ اور دبیض روشن دھوئیں کے گرداب معلوم ہوتے تھے۔ تربیتی ڈکوٹوں نے جن پر مشین گنوں سے مسلح پولیس آفیسر ساتھ میں تھے، ان دائروں کو گھیرنے کی کوشش کی، لیکن بے سود۔ ایک ڈکوٹے نے جیسے ہی غوطہ مار کر اس کے قریب پہنچنے کی کوشش کی، اس سے دس بیس گز دوری پر ہی اس ڈکوٹے میں آگ لگ گئی اور انجن اور پٹرول ٹینک دھماکے سے پھٹ گیا۔ یہ حشر دیکھ کر دوسروں کے بھی ہاتھ پیر پھول گئے اور سب کو اپنی موت سر پر نظر آنے لگی۔

ایک قیامتِ صغرا کا منظر تھا، لوگ بے منزل، ۔ بے ٹھکانہ سر پر پیر رکھ کر بھاگ رہے تھے۔ انھیں اتنا بھی ہوش نہیں تھا کہ کتنے گر رہے ہیں، کتنے کچل رہے ہیں اور کتنوں کی جانیں ضائع ہو رہی ہیں۔ انسانی خودغرضی آج جہاں خطرے میں پاکر پوری طرح اجاگر ہو گئی تھی۔ ایک عجیب ہنگامہ خیزی تھی۔ اس شہر کے لوگوں نے یہ طلسم ہوش ربائی واقعات اپنے خواب و خیال میں بھی نہ دیکھے سنے تھے۔ لاکھوں زندگیاں ہست و نیست کے تذبذب کا شکار تھیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے شہر کی وسطی آبادی والے علاقے میں آگ پھیل گئی اور دھماکے ہونے لگے۔ فائر بریگیڈ کے علاوہ فوجی فائر فائیٹنگ اسکواڈ بھی اس طرف دوڑ پڑے۔ دو دائرے اس علاقے کے اوپر سے پرواز کر رہے تھے۔ وہ جس عمارت کے قریب سے گزرتے اس میں آگ لگ جاتی اور جب تک امدادی دستے وہاں پہنچیں، وہ پہلے کی نسبت کسی قدر آہستہ رفتار سے پرواز کرتے ہوئے آگے جا چکے تھے۔ ڈپٹی کمشنر پاٹل اور انسپکٹر جنرل کی گاڑیاں سارے کام بھول کر خود ان کا تعاقب کر رہی تھیں۔ ان کے پیچھے ایک اور گاڑی تھی، جس میں

چھوٹے پولیس افسر تھے۔

یہ کیفیت تقریباً گھنٹے تک رہی اور اتنی دیر میں سارے شہر میں ایک اندھیر مچ گیا۔ حالات اتنے بدتر ہو گئے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے یہ کیفیت اور کچھ دیر رہی تو سارا شہر تباہ ہو جائے گا۔لوگ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں مانگ رہے تھے۔گرجا گھر، مسجدیں اور مندر، سہمے ہوئے گڑگڑاتے مردوں، عورتوں اور بچوں سے بھر گئے تھے۔

اچانک ایک عجیب سی گونج فضا میں سنائی دینے لگی۔ ہزاروں نظریں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔آسمان پر ایک چھوٹا سا بمبار طیارہ تیزی سے پرواز کرتا چلا آرہا تھا۔اس میں سرچ لائٹ لگی ہوئی تھی، جس کی روشنی بار راڈر کی طرح مختلف سمتوں کو گھومتی اتنی طاقتور سرچ لائٹ صرف شب خون مارنے والے بمبار طیاروں میں ہی نصب کی جاتی تھی۔شہر کی فضائی حدود میں داخل ہوتے ہی اس کا رخ ایک آتشیں دائرے کی طرح ہو گیا۔حالاں کہ وہ دائرے سے بہت اوپر پرواز کر رہا تھا، اس کے قریب پہنچتے ہی اس نے ایک غوطہ لیا، ہزاروں آدمی گم سم کھڑے یہ تماشا دیکھتے رہے، جیسے ہی وہ اس دائرے کے قریب پہنچنے لگا، اچانک اس طیارے سے فائرنگ شروع ہو گئی۔

یہ فائرنگ یا تو بے آواز تھی، یا پھر اتنی کم آواز ہو گی کہ نیچے تک نہ سنائی دے سکے، لیکن اس میں بجائے گولیوں کے آسمانی رنگ کی روشنی کی ایک لمبی لہر پانی کی تیز دھار کی طرح نکل رہی تھی۔اس لہر کے دائرے سے ٹکراتے ہی کچھ ایسی آواز پیدا ہوئی جیسے کسی دہکتے توے پر پانی ڈال دیا گیا ہو اور اسی کے ساتھ وہ دائرہ بل کھاتا ہوا ٹوٹ کر بھورے رنگ کے دھوئیں میں تبدیل ہونے لگا۔اس کی پرواز ختم ہو چکی تھی۔ نیچے سے ایک ساتھ ہزاروں مسرت بھری چیخیں نکل پڑیں۔ وہ طیارہ اب دوسرے دائرے کی طرف چلا اور اس کا بھی اس نے یہی حشر کیا۔ لوگ حیرت و استعجاب سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ان کی آنکھوں کی چھپی ہوئی زندگی کی چمک پھر واپس آ گئی تھی۔

یہاں تک ایک ایک کر کے اس نے تمام دائروں کا تعاقب کر کے انھیں بھورے رنگ کے دھوئیں میں تبدیل کر دیا جو بعد میں ہوا میں منتشر ہو کر غائب ہو گیا۔ لوگ فرطِ مسرت سے چلا چلا کر ہاتھ ہلاتے اور اچھلنے لگے۔ ٹھیک اسی وقت آئی جی کی کار کا وائرلیس کنیکشن سیٹ میں ایک گونج سنائی دینے لگی اور رسیونگ بلب اسپارک کرنے لگا۔

''ہیلو، پی ایم کیو... آئی جی پی... اٹینڈ پلیز۔ خان کالنگ اوور۔''

آئی جی ایک دم اچھل پڑا۔ وہ فوراً بورڈ پر جھک گیا۔

''یس آئی جی پی ہیئر۔ اسپیک مسٹر خان اوور۔'' اس نے کہا۔

''میں اوپر بمبار طیارے میں پرواز کر رہا ہوں اور دائروں کو میں نے ختم کر دیا ہے اوور۔ اب کوئی خطرہ نہیں۔ آپ امن قائم کرا دیجیا اوور۔''

''بھئی بڑے عجیب حالات تھے، بہر حال آپ جلد آیے، میں سب کچھ جاننے کیلیے بہت بے چین ہوں اوور۔'' آئی جی نے جواب دیا۔

''میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔ مجھے ابھی کچھ آدمیوں کو قابو میں کرنا ہے۔'' خان کا جواب م ''میں انتظار کروں گا آپ کا۔'' آئی جی نے مسرور لہجے میں کہا۔ اور گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

پولیس نے اسی وقت لاؤڈ اسپیکروں پر حالات کے اعتدال پر آنے اور خطرہ ختم ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ جسے سنتے ہی خوشی کی ایک عام لہر چاروں طرف دوڑ گئی، لیکن ان گھروں میں رونا پیٹنا بھی مچ گیا، جن کے افراد غائب تھے، یا اس قیامت صغرا کا شکار ہوئے تھے۔ اپنی جان کی سلامتی کے ساتھ لوگوں کو اپنے ساتھیوں، یا عزیزوں کی کمی کا احساس ہوا تھا۔ اور اس طرح رات کے تقریباً ۴ بجے اس پریشان حال شہر نے جزوی تباہی کے بعد امن کی سانس لی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

سنسنی خیز انکشاف

شہر میں سکون ہو جانے کے باوجود پولیس اور فوج سڑکوں پر احتیاطاً گشت کرتی رہی۔قیامت کے ٹل جانے کے بعد اب اس کے بارے میں بڑے سرگرم تبصرے ہو رہے تھے اور ہر ایک کی زبان پر اس وقت صرف دو سوالات تھے۔

یہ سرخ دائرے بلا کیا تھی اور عین موقع پر کسی آسمانی مددگار نے پہنچ کر ان کی جانیں اس خطرے سے بچائیں۔وہ اسے نہ جانتے ہوئے بھی دل سے دعائیں دے رہے تھے۔

لیکن سویرے سویرے ہی جب اخباروں کے غیر معمولی شاعتو میں جو آج تاخیر سے نکلی تھیں، صفحہ اول پر ہی وہ بہادر سراغ رساں افسر جس نے شہر کو ایک عظیم تباہی سے بچالیا۔کئی سرخی کے نیچے لوگوں نے سپرنٹنڈنٹ خان کی تصویر دیکھی تو وہ حیرت و خوشی سے اچھل پڑے۔لوگوں کو اس کے کارنامے اخباروں میں پڑھ پڑھ کر پہلے ہی سے اس سے غائبانہ عقیدت تھی اور آج تو اس نے اپنی جان ہتھیلی پر لے کر سارے شہر کو تباہی سے بچا لیا تھا۔ہر طرف اس کے گن گائے جانے لگے۔

لیکن اس سے زیادہ حیرت انھیں اس دوسری تصویر پر ہوئی جو ڈاکٹر گڈکر کی تھی۔اس کے نیچے لکھا تھا وہ شیطان صفت سائنسداں جس نے سارے شہر کی زندگی خطرے میں ڈال دی تھی۔

عالم یہ تھا کہ کئی کئی آدمی ایک ایک اخبار پر ٹوٹے پڑتے تھے۔بازاروں میں کسی مقامی اخبار کی ایک بھی کاپی نہیں بچ سکی تھی۔اسی شام کو اخباروں نے اپنے خصوصی ضمیمے شائع کرتے ہوئے لکھا۔

وہ پراسرار آتشی دائرہ جسے عام لوگ آسیب اور آسمانی آفت کا نام دے رہے تھے اور

جسے اخباروں نے کسی دوسرے سیارے کا آفاقی حملہ گردانا تھا، بہرحال ہماری پولیس کے مایہ ناز سراغ رساں افسر سپرنٹنڈنٹ حضور احمد خاں نے حل کرلیا۔ یہ تباہ کن دائرے ایک جدید ترین سائنسی ایجاد کازمک شیل سے پیدا کیے جاتے تھے۔ جنھیں ایک دوربین نما ریڈیو الیکٹرانک گن سے داغا جاتا تھا۔ اور ہر شیل کے پھٹنے سے پیدا ہونے والا دائرہ سرخ شعاعی دھواں گرداب کی شکل اختیار کر کے قائم ہو جاتا تھا۔ اور اس میں دو ہزار ڈگری کی بھسم کر دینے والی حدت ہوتی تھی جس سے تقریباً ۲۰ گز تک کے فاصلے کی حد میں آنے والی چیز جل کر راکھ ہو جاتی تھی۔

نیچے دوبارہ ڈاکٹر گڈکر کی تصویر سیاہ ربڑ کے لباس میں، جو انسولیٹڈ یونیفارم کہلاتا تھا، بلیک باس، کے نام سے چھاپتے ہوئے لکھا گیا تھا کہ خطرناک اور مہلک ایجاد انسانیت کی خدمت کا مقدس فرض رکھنے والے ہمارے لائق ڈاکٹروں میں سے ایک شیطان سیرت سائنس داں ڈاکٹر کی تھی، جس نے اس کا تجربہ معصوم، بے گناہ انسانی جانوں پر کیا۔

بعد میں اس کیس کی مختصر تفصیل دیتے ہوئے لکھا گیا تھا کہ 'بالآخر مرد کی سب سے بڑی کمزوری عورت نے ہی اس بہ بہ یت پسند ڈاکٹر کے ہاتھ قلم کیے۔ اور ساتھ میں نرگس کی تصویر چھاپتے ہوئے لکھا گیا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ خاں کی بہترین مددگار ثابت ہونے والی مس نرگس نے ہی ان پراسرار تہ خانوں میں پہنچ کر 'دائرہ شکن' (کازمک رینج کریکر) بندوق حاصل کی، جو ڈاکٹر نے صرف اپنے لیے بنا رکھی تھی اور جس سے وہ ان دائروں کو بعد میں ختم کر دیا کرتا تھا۔

یہ انکشافات جہاں دوسرے ڈاکٹروں اور سائنس دونوں کیلیے حیرت انگیز اور مطالعہ کی دعوت دینے والے تھے، وہاں شرمناک بھی تھے، کیونکہ انھیں ایجاد کرنے والے نے ان کے غلط استعمال سے انسانیت کا بدترین جرم کیا تھا۔

اور اس کے باوجود کہ لوگ ڈاکٹر گڈکر کی عظیم شخصیت کے قائل ہو گئے، اس کے نام پر ہر طرف سے لعنتیں اور ملامتیں پڑ رہی تھیں۔ ویسے عام لوگوں کیلیے، اور سب سے زیادہ تحیر خیز

اور دلچسپ انکشاف اس آسیب زدہ پرانے مقبرے کا تھا، جس کی قبر سے آگ کے شعلے نکلتے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ خان نے پریس کی ضد سے مجبور ہو کر اس کا بھی انکشاف کر دیا۔ خان کا بیان شائع کرتے ہوئے اخباروں نے بتایا کہ دراصلیہ ٹھنڈے شعلے فاسفورس کے تھے، جو اسی قبر کے اندر لگائی گئی باریک نالیوں سے اڑائی جاتی تھی اور نالیوں کا تعلق ایک پائپ کے ذریعے زمین دوز تہ خانوں سے تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

نقلی مردہ

خان کا یہ انکشاف بھی کچھ کم باعثِ حیرت نہ تھا کہ اس قبر میں لٹایا گیا مردہ نقلی تھا۔ وہ مٹی کا ایک پتلا تھا، جسے سفید کفن میں لپیٹ کر وہاں رکھا گیا تھا۔ اور یہ ڈاکٹر کی ہی جدت تھی، ویسے یہ قبر ہمیشہ خالی رہتی تھی۔ اسے سلطان ٹیپو کے زمانے میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کے دوران خفیہ تہ خانے کے دروازے کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا تھا۔ مقبرے کے عین نیچے ایک بڑا تہ خانہ موجود ہے، جس کا تعلق پانچ میل دور سرائے میر کے ایک دوسرے زمین دوز شاہی تہ خانے سے ایک سرنگ کے ذریعے ہے۔ یہ تہ خانہ ڈاکٹر نے غدر کی ایک پرانی قلمی تاریخ کے مطالعے کے بعد دریافت کیا تھا۔ اس تاریخ میں جو اب بھی سرکاری لائبریری میں موجود ہے، صرف اتنا اشارہ کیا گیا ہے کہ جنوب میں احمد نگر کے آس پاس کہیں باغیوں کی ایک زمین دوز زبردست فوجی رصد گاہ تھی جس کا راستہ ایک مقبرے میں بنی ہوئی قبر سے تھا۔ ڈاکٹر گڈکر نے سرائے میر کے باہر ایک خفیہ پاور اسٹیشن بنوا کر اسی راز کے کھل جانے کے امکانات پیدا کر دیے تھے اور جب پروین کے میک اپ میں لیڈی سرجنٹ سلوچنا کانتی لال کو ڈاکٹر کے آدمی پکڑ کر سرائے پر لے گئے، تب ہی اس خفیہ پاور ہاؤس اور سرائے میر والے تہ خانے کے ذریعے اس راز تک پہنچنے کا موقع ملا۔

خان ن ے اس طوفانی رات کو اپنی اور اس لڑکی کی گمشدگی کے بارے میں انکشاف کیا تھا کہ قبر سے نکلنے والے دھوئیں میں بے ہوشی کے اثرات تھے، جس سے وہ اس لڑکی کو اٹھائے ہوئے بے ہوش ہو کر گر پڑا اور پھر غالباً ڈاکٹر کے آدمی ہی قبر سے نکل کر انھیں اندر اٹھا لے گئے ہوں گے۔

آخری انکشاف اور زیادہ دلچسپ تھا۔ اس میں خان نے بیان کیا تھا کہ ڈاکٹر کی

سب سے بڑی کمزوری خوبصورت لڑکی تھی۔اسپتال میں جس قدر خوبصورت لڑکیاں اس کے نظر سے گزرتیں، وہ ان میں سے بعض کو اپنے لیے منتخب کر کے اس طرح غائب کرا دیتا کہ کسی کے فرشتوں کو پتہ نہ چلتا اور اپنی تکمیلِ ہوس کے بعد وہ یا تو انھیں ختم کر دیتا، یا پھر اپنے تہ خانوں میں انھیں اپنے آدمیوں کی خدمت پر لگا دیتا۔ایسی ۱۵ لڑکیاں جو اب اپنا سب کچھ کھو کر جوانی میں ہی بوڑھی معلوم ہونے لگی تھیں، برآمد کی گئی تھیں۔اور آج ہی انھیں ان کے گھروں کو پہنچا دیا گیا تھا۔ان میں وہ لڑکی بھی شامل تھی جسے خان کے ساتھ غائب کیا گیا تھا۔خان کے یہ سنسنی خیز انکشافات ایک پراسرار ناول کی طرح تھے، جنھیں پڑھ پڑھ کر لوگ اس کی ذہانت اور حسنِ کارکردگی کی داد دیتے رہے۔اور بجا طور پر محکمہ پولیس کو۔۔۔ذکر کیا تھا فخر محسوس ہونے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

ایک اور انکشاف

''یہ سب کچھ تو داستانِ طلسم ہوشربا سے کم نہیں، لیکن بیچاری پروین کا کیا ہوا؟''

شام کی چائے پر بالے نے خان سے پوچھا۔

''کیا دلچسپی ہو گئی ہے اس سے؟''

''لاحول ولاقوۃ۔میں تو یونہی پوچھ رہا ہوں، برسبیلِ تذکرہ۔'' وہ منہ بنا کر بولا۔

''وہ میرے ایک دوست کے یہاں بطورِ امانت محفوظ تھی اور میں نے اب اسے اس کی مرضی کے مطابق اس کلرک کے حوالے کر دیا ہے جو کئی سال سے اس سے محبت کرتا آ رہا ہے اور یہ جاننے کے باجود کہ وہ اپنا کنوارا پن کھو چکی تھی، وہ اسے اسی طرح اپنانے کو بسر و چشم تیار ہے۔'' بالے نے بالے کو معنی خیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''ہائے رے، اس بتِ کافر کا مسلماں ہونا۔'' بالے شعر پڑھنے لگا۔

Akram Allahabadi

''غیرت مند ہوتے تو چلو پھر پانی میں ڈوب مرتے۔'' اسرار نے ٹوک دیا۔

''یوشٹ اپ۔'' بالے نے جھنجلا کر اسے ڈانٹا۔ ''تمہارا کچھ کھویا ہوتا تو جانتے۔''

''لیکن وہ پہاڑی ۳۷ کا راز تو راز ہی رہ گیا۔''

''وہ کچھ بھی نہ تھا۔ دراصل اس پہاڑ کے اندر کی ہوا نکال لی گئی تھی، جس سے وہ پچک گئی۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ بعض پہاڑ سانس بھی لیتی ہیں۔'' خان نے بتایا۔ ''ڈاکٹر نے محض دوسروں پر آسیب مسلط کرنے کیلیے ایئر سلنگ پائپ اس کی جڑوں میں پہنچا کر اس کی گیس نکال لی تھی۔'' وہ بولا۔

''اور وہ پارسی قبرستان کا اسرار؟''

''وہ ایک راز ہے۔ دراصل پروین نے ڈاکٹر سے اپنا ناجائز تعلق چھپانے کیلیے جھوٹ بولا تھا۔ فیروز کی موت کے وقت سے ہی ڈاکٹر سے اس کے تعلقات تھے۔ اور جب وہ حاملہ ہونے لگی تو ہرمز جی کو معلوم ہوا۔ اس نے قانون کا سہارا لینا چاہا، جس سے پہلے ہی اسے ختم کر کے پروین کو غائب کر دیا گیا۔ بعد میں اسے دھوکہ دینے کیلیے ڈاکٹر نے اسے اپنے سیاہ ربڑ کے لباس میں اس کے ساتھ ہوس کاری کی اور پھر اسے قبرستان کے سیاہ فام آدمیوں کے حوالے کر دیا تا کہ وہ اس سے اپنی تشنگی بجھا کر اسے کنوئیں میں پھینک دیں۔ اس سے پہلے ڈاکٹر نے کسی لڑکی کا خون نہیں کیا تھا، ورنہ وہ اسے وہیں مار ڈالتا۔''

''واقعی بڑا پراسرار اور دلچسپ سلسلہ تھا۔'' ڈیسوزا نے ایک لمبی سرد سی سانس لی۔

''کیونکہ آپ کو رشک ہو رہا ہے ڈاکٹر پر۔'' بالے بول اٹھا۔

''اے مسٹر، میں اسرار نہیں، میرا غصہ خراب ہے۔'' ڈیسوزا نے اسے گھور کر کہا، لیکن اسی وقت بالے کے منہ سے نکلا۔

''بھا...''

اور سب کی نگاہیں دروازے کی طرف اٹھ گئیں، جہاں نرگس برف جیسے سفید لباس

میں اندر داخل ہو رہی تھی۔ خان کے چہرے پر سرخ مسکراہٹیں پھیل گئیں۔ اور لوگ آپس میں ہنسی مذاق کرتے ہوئے ڈاکٹر گڈکر کے تہ خانے کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ مگر بالے جو کبھی بھی خاموش بیٹھنا نہیں جانتا تھا، وہ اس وقت سر جھکائے نہ معلوم کیا سوچ رہا تھا۔ آخر مس نرگس سے اس کی یہ خاموشی برداشت نہ ہو سکی اور پوچھ بیٹھی۔

''کہیے، مسٹر بالے، آپ خاموش کیوں ہیں؟''

بالے کے جواب دینے سے پہلے ہی اسرار بول بیٹھا۔ ''نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے۔''

''چپ رہ ابے اوزروالوں کی اولاد۔'' بالے نے جھنجلا کر کہا۔ ''نہیں تو ابھی تیرے بھیجے کا بھرتا بنا ڈالوں گا۔''

''جب دیکھو تم دونوں آپس میں سوکن کی طرح لڑتے رہتے ہو۔'' خان نے بیچ میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

''آپ نے ابھی تک یہ انکشاف نہیں کیا، بھا... اس تہ خانے میں کس طرح پہنچ گئیں؟''

''لیڈی سرجنٹ مس سلوچنا کانتی لال جو پروین کی شکل میں ڈاکٹر کے ہاتھ لگ گئی تھیں، انھیں میں نے تمام باتیں سمجھا دی تھیں اور وہ کسی طرح تہ خانے سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئیں۔ ان ہی کے ذریعے نرگس کو خبر ہو گئی اور انھوں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر مجھ تک پہنچنے کی کوشش کی اور کامیاب ہو گئیں۔''

ابھی خان یہاں تک کہہ پایا تھا کہ بالے نے کہا۔ ''پھر انھیں بھی خفیہ برانچ میں بھرتی کروا دیجیے۔''

اسرار سے نہ رہا گیا۔ ''پہلے اپنا استعفا داخل کر، پھر انھیں بھرتی کروانا، بزدل کہیں کا، اتنی ہی ہمت تھی تو کیوں مقبرے کے باہر سے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔''

یہ بحث نرگس کی وجہ سے ہی چھڑی تھی اور اسرار نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے کہا۔ ''اچھا اب بحث ختم کیجیے، اور یہاں جتنے حاضرین ہیں سب میرے غریب خانے پر تشریف لے چلیں وہاں چائے کا انتظار کر رہی ہے۔''

سب لوگ خوشی خوشی نرگس کے مکان پر جانے کیلیے تیار ہو گئے۔

☆☆☆ **ختم شد** ☆☆☆

Akram Allahabadi